ابتدائی تین صدی کے کم معروف مصادر سیرت

Lesser known Seerah sources of the first three centuries

سید عزیز الرحمن

ABSTRACT

Writing down and compiling the life, beauty and style of life of the Holy Prophet Muhammad (peace and blessings of ALLAH be upon him) has been a special way of life for Muslims since the earliest times. How lucky are those whose purpose in life is to think, write, read and teach the Seerah of Prophet Muhammad (peace and blessings of ALLAH be upon him). The writing of Seerah began in the early period, in the time of the companions themselves, and along with the writing of Hadith, there are also impressions of the writing of Seerah in the same period that by this time the two sciences were one and the same. The first three centuries has special importance as the collection, compilation, writing and research work on Seerah that took place in this era is in front of us today in one form or another, and the books of that era have a degree of authority. But it is not known why even today complete information or a large part of the information regarding the initial sources of Seerah is not generally available to the readers of Seerah. And many of the books that have been published today are not mentioned in the list of Seerah books of the first three centuries. Therefore, in this article published books of first three centuries that are lesser known are mentioned to summarize the first impression of writing and compiling the Seerah in a brief manner.

Keywords: Seerat an-Nabawiyyah, Sources of Seerah, first three centuries.

جناب نبیٔ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی حیات طیبہ، اسوہ حسنہ اور اسلوب زیست کو قلم بند کرنا عہد اولیں سے مسلمانوں کا شیوۂ خاص اور محورِ حیات رہا ہے۔ کتنے خوش نصیب تو ایسے ہیں، جن کا مقصد حیات ہی سیرت طیبہ کے حوالے سے سوچنا، لکھنا، پڑھنا اور پڑھانا رہا۔ دوسرے وہ اہل علم، اہل تحقیق اور اہل قلم بھی جن کی قلمی و تحریری جولان گاہ سیرت طیبہ نہیں دوسرے علوم و فنون تھے، اس سعادت سے محروم نہیں رہے۔ بل کہ اپنی دیگر دل چسپیوں کے ساتھ ساتھ وہ اس میدان میں بھی سرگرم رہے، اور انہوں نے اپنے قلم کے نہایت وقیع علمی نقوش چھوڑے ہیں، جن کی کرنیں آج بھی دنیائے علم میں ضیا بار ہیں۔

سیرت نگاری کا آغاز ابتدائی عہد میں، خود عہد صحابہ میں ہی ہو گیا تھا، اور کتابت حدیث کے ساتھ ساتھ اسی زمانے میں کتابت سیرت کے نقوش بھی ملتے ہیں کہ اس وقت تک یہ دونوں علوم یک جا تھے۔ سیرت نگاری کی اولین تین صدیاں خاص اہمیت رکھتی ہیں کہ اس عہد میں جس قدر جمع، تدوین، تحریر و تحقیق کا کام ہوا، وہ کسی نہ کسی صورت میں آج ہمارے سامنے ہے، اور اس عہد کی کتب آج بابِ سیرت میں امہات الکتب کا درجۂ فضیلت رکھتی ہیں، لیکن نہ جانے کیوں آج بھی ابتدائی ماخذِ سیرت کے حوالے سے مکمل معلومات یا معلومات کا بڑا حصہ عام طور پر قارئین سیرت کے سامنے موجود نہیں ہے، اور بہت سی وہ کتب جو آج شائع ہو چکی ہیں، ابتدائی تین صدی کی کتب سیرت یا ماخذ سیرت کی

فہرست میں ذکر نہیں کی جاتیں۔ حد تو یہ ہے کہ آج بھی اس حوالے سے لکھے جانے والے مضامین کا غالب حصہ سابقہ فہارس نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی معلومات پر مشتمل ہے۔ اس لیے ان سطور میں محض مطبوعہ کتب کا تذکرہ کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس تحریر میں ان ہی اولین نقوش کو اختصار کے ساتھ سمونے کی سعی کی گئی ہے۔ وباللہ التوفیق

دراصل قرون اولیٰ میں جب علوم وفنون اسلامی تشکیل وارتقا کی منزلوں سے آشنا ہوئے تو ہر فن کی طرح اسلامی علوم وفنون میں بھی ترقی پاتے گئے، اور ان کی ذیلی شاخیں پروان چڑھتی گئیں۔ پھر یہ شاخیں اپنی عمر کو پہنچ کر اپنے اپنے مقام پر ایک باقاعدہ فن کی حیثیت اختیار کر گئیں، پہلے پہل فقہ، حدیث، سیر مغازی سب ایک تھے، یا یک جا تھے، جب فن حدیث نے ترقی پائی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احوال واقوال واعمال کے لئے مخصوص ہو گیا جن کا تعلق عبادات ومعاملات سے تھا۔ ان مسائل عبادات ومعاملات کی جزئیات نے جب ایک فن کی شکل اختیار کی تو وہ فقہ کی شکل میں مدون ہوا، جب کہ فن سیرت نے جو ابتدا میں سیرت ومغازی کے عنوان سے سامنے آیا، رفتہ رفتہ وہ شکل اختیار کی کہ آج اس کے ذیلی عناوین بھی بیسیوں ہیں اور ان میں سے بعض عنوان بہ جائے خود ایک آزاد فن کی شکل اختیار کر چکے ہیں، جیسا کہ ابتدا میں فن سیرت "سیر" کے زیر عنوان جانا جاتا تھا، جو اب قانون میں بھی ایک علیحدہ شعبے کا درجہ رکھتا ہے۔

سیرت پر سیرت کے عنوان سے سب سے پہلے جو کتاب سامنے آئی، وہ معلوم تاریخ کے مطابق ابنِ ہشام (م213ھ) کی السیرۃ النبویہ ہے، جسے اس نے خود ھٰذا کتاب سیرۃ رسول اللہ لکھ کر متعارف کرایا ہے۔[1]

لفظ سیرت آغاز میں ہر ایک کے لیے استعمال ہو تا رہا ہے، چناں چہ عوانہ بن حکیم کلبی (م147ھ) کی کتاب سیرۃ معاویہ وبنی اُمیہ، اور واقدی (م207ھ) کی کتاب سیرۃ ابی بکر ووفاتہ اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ بعد میں بھی لفظ سیرت کا یہ عمومی استعمال جاری رہا، چناں چہ اُردو میں بھی اس کی روایت نظر آتی ہے، علامہ شبلی کی سیرت النعمان اور سید سلیمان ندوی کی سیرتِ عائشہ معروف کتب ہیں، البتہ اب ہمارے عرف اور عام محاورے میں مطلقاً جب لفظ سیرت کا استعمال ہو تا ہے، تو اس سے مراد سیرتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام ہی ہوتی ہے۔ اس موضوع پر خلاصہ کلام کے طور پر ڈاکٹر سید عبداللہ کی تحریر فرمودہ تعریف پیش ہے، اُنہوں نے فنِ سیرت کی نہایت جامع تعریف کی ہے، ڈاکٹر صاحب کے الفاظ ہیں: سیرت کا مفہوم طریقے ومذہب، سنت، ہیئت، حالت اور کردار تک محدود نہیں، بل کہ اس سے مراد داخلی شخصیت، اہم کارنامے اور اکابر کے حالاتِ زندگی بھی ہیں۔[2]

یہاں اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے سیرت کے مطلق مفہوم کا ذکر کیا ہے، لیکن آگے چل کر وہ اس موقف کو کہ سیرت سے مراد صرف نبیٔ اکرم کی سیرتِ مبارکہ ہے، بالکل واضح اسلوب میں بیان کرتے ہیں: تمام اشخاص کی بایوگرافی (سوانح) کو سیرت کہنا زیادتی ہے، کیوں کہ سیرت کے لفظ کو اُصولی طور پر آں حضرت کے حالات ہی سے مخصوص سمجھنا چاہیے۔[3]

سیرت نگاری کے مختلف ادوار

سیرت نگاری کا آغاز عہد نبوی بل کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت مبارکہ سے بھی بہت پہلے ہو گیا تھا، البتہ سیرت نگاری نے اب تک بہت سے مرحلے طے کیے ہیں، اس بنا پر سیرت نگاری کی تاریخ، منہج اور اس کے ارتقا کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اسے تاریخی طور پر

مختلف طبقات میں تقسیم کریں، اس سلسلے میں ماہرین سیرت کی آرا مختلف رہی ہیں۔ مثال کے طور پر مولانا قاضی اطہر مبارک پوری جو فن سیرت پر تدوین سیر و مغازی جیسی اہم کتاب کے مؤلف ہیں، سیرت نگاری کو دو ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان کی رائے کے مطابق پہلی صدی کے نصف اول سے دور اول کا آغاز ہوتا ہے، جو اس صدی کے اختتام تک رہتا ہے اور دوسرا دور دوسری صدی کے آغاز سے شروع ہوتا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے محاضرات سیرت میں 600 ہجری تک کی سیرت نگاری کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ہم ماہرین فن کی ان نگارشات کی روشنی میں سیرت نگاری کے ابتدائی تین صدی کے سرمائے کو ان ادوار میں تقسیم کرسکتے ہیں:

پہلا دور

یہ دور نبی کریم ا کی ولادت سے پہلے ہی شروع ہوگیا تھا جس کے مطابق اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکام کے تحت نبی کریم کے اجداد، خاندان، آپ کے قبیلے اور اس کی مختلف شاخوں اور جغرافیۂ عرب کے طبعی خواص کے حوالے سے معلومات کی فراہمی اور ان کو جمع کرنے کا آغاز ہوگیا تھا۔ ہر دور میں من جانب اللہ ایسے حالات پیدا ہوتے رہے کہ آپ کے نسب کے سلسلے میں بنیادی معلومات تاریخ عرب میں محفوظ ہوتی چلی گئیں، چناں چہ آج ہمارے سامنے آپ کے جد امجد ہاشم بن عبد مناف سے لے کر عدنان تک کے حالات کتب انساب و تاریخ میں جزئیات کے استقصا کے ساتھ محفوظ ہیں۔

دوسرا دور

یہ دور عہد نبوی اور عہد صحابہ کے نصف حصے پر مشتمل ہے جس کا اختتام پچاس ہجری کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس عہد میں روایات سیرت کے متفرق انداز میں جمع کرنے، انہیں بیان کرنے، انہیں محفوظ کرنے کا کام شروع ہوا، یوں علم سیرت کا خام مواد محفوظ ہونا شروع ہوا۔

تیسرا دور

تیسرا دور عقیل بن ابی طالب سے شروع ہوتا ہے اور یہ وہب ابن منبہ کی وفات (110ھ) پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس عہد کے نمایاں ترین شخصیات میں عقیل بن ابی طالب کے علاوہ ابان بن عثمان اور عروہ بن زبیر شامل ہیں۔ مؤخر الذکر دنوں حضرات تو روایات کے مطابق صاحب کتاب ہیں، گو ان کی کتب دست و برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں، البتہ عقیل بن ابی طالب کی طرف کسی کتاب کا انتساب نہیں کیا جاتا، مگر بیان سیرت میں ان کا کام اپنے عہد میں نمایاں اور ممتاز ترین ہے۔

چوتھا دور

چوتھا دور وہب ابن منبہ سے محمد ابن اسحاق تک کا دور ہے۔ اس دور میں باقاعدہ کتب مرتب ہوئیں، جن کی بنیاد پر بعد میں آنے والے سیرت نگاروں نے اپنی ان مہتم بالشان کتب کی بنیاد رکھی جو آج سیرت کے بنیادی مآخذ قرار پاتی ہیں۔

پانچواں دور

سیرت نگاری کا پانچواں دور محمد ابن اسحاق سے لے کر ابن سعد تک کا ہے۔ اس دور میں واقدی، ابن ہشام اور ابن سعد جیسے اساطین فن سیرت موجود ہیں۔

چھٹا دور

تیسری صدی کے نصف ثانی سے شروع ہوتا ہے، اس دور میں کتبِ سیرت کی باقاعدہ ترتیب اور تالیف کی گئی، چھوٹے مجموعوں کو مرتب کر کے مفصل کتابوں کی شکل دی گئی اور معلوماتِ سیرت کو بہتر و منظم انداز میں پیش کیا گیا یہ دور سرِ دست ہماری گفت گو کا حصہ نہیں۔

سیرت نگاری عہد رسالت وعہد صحابہ میں

جیسا کہ بیان ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانۂ مبارک ہی میں سیرت بیان کرنے کا آغاز ہو گیا تھا، البتہ اس وقت بہت سے فنون مشترک تھے، مثال کے طور پر تاریخ، سیرت اور مغازی سب فنِ حدیث کی طرح روایتاً سند کے ساتھ بیان کیے جاتے تھے۔

صدرِ اول میں جب کہ مسلمانوں میں قرآنِ حکیم اور اس سے متعلقہ علوم و فنون نیز احادیثِ نبویہ کے حوالے سے شغف اور دل چسپی بڑھ رہی تھی، اور جابہ جا ان کے حلقے قائم تھے، خلفائے راشدین بہ ذاتِ خود ان حلقوں کو قائم اور اُن کی سرپرستی فرماتے تھے، اور ان علوم کے ماہرین کی بڑی تعداد صحابۂ کرام میں موجود تھی، اسی دور میں مغازی کے زیرِ عنوان سیرتِ طیبہ پڑھنے اور پڑھانے کا رجحان بھی موجود تھا، اور یہ رجحان مسلسل قوی ہو رہا تھا، جس کا ایک سبب ذاتِ رسالت مآب اسے مسلمانوں کے تعلقِ خاص کے علاوہ یہ بھی تھا کہ اسلام سے قبل بھی اہلِ عرب کے ہاں خاندانی و قبائلی فخر و مباہات کے اظہار کا خاص اہتمام تھا، اور چوں کہ ان کے ہاں نوشت و خواند کا رواج بہت کم تھا، اس لئے وہ ان اُمور کے لیے اپنے خداداد بے مثال حافظے سے فائدہ اُٹھاتے تھے اور اس مقصد کے لیے خاص مجالس آراستہ کرتے تھے۔[4]

خیال کیا جاسکتا ہے کہ عربوں کی یہی روایت اسلام کی آمد کے بعد غزوات وغیرہ کے بیان کی صورت اختیار کر گئی۔ عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ تفسیر و فقہ کے بڑے اور جید ترین امام ہیں، آپؓ نے اپنی مجالس کے لیے مختلف ایام کے لئے مختلف موضوعات مقرر فرمائے تھے، چناں چہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کا بیان ہے:

ولقد کان یجلس یوما لا یذکر الا الفقه، ویوما التاویل، ویوماً المغازی، ویوماً الشعر، ویوماً ایام العرب۔[5]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اپنے حلقۂ درس میں ایک دن فقہ، ایک دن تفسیر، ایک روز مغازی، ایک دن شعر و ادب اور ایک دن ایامِ عرب کا بیان فرماتے تھے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کنا نعلم مغازی النبی ﷺ و سرایاہ کما نعلم السورة من القرآن۔[6]

ترجمہ: ہم مغازی کا علم اسی طرح حاصل کیا کرتے تھے، جیسا کہ قرآن کریم کی سورت کا علم حاصل کرتے تھے۔

اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ مغازی وغیرہ کے بیان سے صحابۂ کرام کا مقصد سننے والوں کو شوق دلانا اور انہیں ثابت قدمی، شجاعت اور جواں مردی کی تلقین ہوتا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کے صاحب زادے محمد بن سعد بیان کرتے ہیں:

کان ابی یعلمنا مغازی رسول الله ﷺ ویعدہا علینا وسرایاہ، ویقول یا بنی ہذہ مآثر آبائکم فلا تضیعوها۔[7]

ترجمہ: ہمارے والد ہمیں غزوات و سرایا کی تعلیم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے میرے بیٹو! یہ تمہارے آبا کا شرف و افتخار

ہیں، سو تم انہیں ہر گز ضائع نہ کرنا (بل کہ انہیں یاد رکھنا)۔

غزوات و سرایا سے مسلمانوں کی اس دل چسپی کا اثر تھا کہ خواتین میں بھی یہ موضوع پسند کیا جاتا تھا، اور وہ بھی اس سلسلے میں خاصے ذوق و شوق کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ اُمِ سعد جمیلہ بنتِ سعد بن ربیع انخ ءوالدہ عمرہ بنتِ حزم بن زید کا واقعہ یوں بیان کرتی ہیں:

انا یوم الخندق ابنة سنتین و کانت امی تُخْبِرُنِی بعد ان ادرکت عن امرھم فی الخندق۔[8]

ترجمہ: میں غزوۂ خندق کے روز دو سال کی تھی، اور میری والدہ میرے ہوش سنبھالنے کے بعد مسلمانوں کے غزوۂ خندق کے حوالے سے واقعات مجھے سناتی تھیں۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ اہل شام خاص طور پر فن مغازی میں اختصاص رکھتے تھے، جس کا ایک سبب ان کی جہاد و غزوات سے عملی وابستگی تھی، کیوں کہ رومی سلطنت سے قریب ہونے کی وجہ سے وہ دوسروں کی بہ نسبت عملاً جہاد سے زیادہ تعلق رکھتے تھے، اس لیے حضرت سفیان بن عینیہ کا قول ہے: اذا اردت الحدیث الصحیح، والاسناد الجید فعلیك باہل المدینة وادا اردت النسك فعلیك باہل مكة، واذا اردت المغازی فعلیك باہل الشام۔[9]

اس سلسلے کے اور بھی بہت سے واقعات ملتے ہیں، اور ان واقعات کو مولانا قاضی اطہر مبارک پوری نے تفصیل سے تحریر کیا ہے[10]۔ اسلامی حکومت خصوصاً خلفائے راشدین اور اُن کے متصل بعد کے حکمرانوں نے بھی مغازی کو خاصی توجہ دی۔ ہشام بن عبد الملک نے اپنے بیٹے کے معلم سلیمان کلبی کو یہ ہدایت جاری کی تھی:

وَبصرہ طرفاً من الحلال والحرام والخطب و المغازی۔[11]

ترجمہ: اسے حلال و حرام، خطبات اور مغازی کے بارے میں صاحبِ نظر بنالو۔

مغازی کا یہ درس دینے والے صحابہؓ و تابعین پھر بڑے جوش اور جذبے سے یہ درس دیا کرتے تھے، اور اس دوران اُن پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تھی۔ سفیان بن علیینہ کہتے ہیں:

کان عکرمة اذا تکلم فی المغازی فسمعه انسان قال کأنه مُشْرِفٌ علیهم یراهم۔[12]

ترجمہ: عکرمہؒ جب غزوات کا بیان کرتے تو سننے والا شخص یہ کہتا تھا کہ گویا وہ خود مجاہدین کو جہاد میں مصروف دیکھ رہا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مغازی کے زیرِ عنوان مطالعۂ سیرت، صحابہ کرامؓ اور تابعین کے عہد میں ہی مسلمانوں کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا، جسے بعد میں مزید وسعت حاصل ہوئی، اور پہلے سیرت کے جامع انداز میں بیانات تحریری شکل میں آنا شروع ہوئے، اور بعد میں سیرت نگاری مزید وسعتیں اختیار کرتی چلی گئی۔

سیرت، علوم سیرت اور متعلقات سیرت کے حوالے سے ابتدائی کتب کے مؤلفین ان میں تینوں طرح کی کتب شامل ہیں یہ ہیں:

1: جن کے محض نام ملتے ہیں، مزید تفاصیل دست یاب نہیں۔

2: اصل کتب دست یاب نہیں، مگر ان کی روایات الگ مجموعوں کی شکل میں یک جا کر دی گئی ہیں۔

:3 اصل کتب موجود ہیں۔

اہم سیرت نگاروں کا تعارف

اوپر مذکور فہرست میں چند نام وہ ہیں جو اپنے کام کے حوالے سے زیادہ معروف اور زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ ذیل میں ہم ان کا اور ان کے کام کا مختصر تعارف کراتے ہیں۔

حسن البصری م110ھ

اہم ترین بات یہ ہے کہ معلوم تاریخ میں ہر اعتبار سے قدیم ترین کتاب جو اب تک ہمارے سامنے آئی ہے، جو تمام ہی تذکرہ نگاروں سے اوجھل ہے، اور مطبوع ہونے کے باوجود اس کا ذکر تا حال راقم کو کسی کتاب، کسی مضمون، کسی لیکچر یا کسی حوالے کے ضمن میں نہیں مل سکا، وہ کتاب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ م ۱۱۰ھ کی فضائل مکہ والسکن فیہا ہے، چوں کہ سر زمین حجاز کی تاریخ اور فضائل بھی مضامین و مباحث سیرت کا حصہ ہیں، اور مکے مدینے کے فضائل پر مشتمل کتب سیرت اور متعلقات سیرت کا حصہ شمار ہوتی ہیں، اس لیے اس کتاب کو بہ طور مصدر سیرت بھی اولیت حاصل ہے۔ یہ کتاب دکتور سامی مکی العانی، استاد ادب جامعہ مستنصریہ، کویت کی تحقیق کے ساتھ مکتبۃ الفلاح کویت سے 1400ھ / 1980ء میں شائع ہو چکی ہے، اور محض 42 صفحات پر مشتمل ہے، جن میں مقدمہ اور کتابیات بھی شامل ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باندی خیرہ کے بطن سے پیدا ہوئے، اور مشہور تابعی ہیں۔ آپ کا بنیادی تعارف زہد و تقویٰ ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ کے مواعظ اور فتاوی بھی نہایت مشہور اور اہل علم کے ہاں متداول ہیں، چناں چہ ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ میں دس سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ حسن بصری کی خدمت میں حاضری دیتا رہا اور روز نئی بات سننے کو ملتی۔ مشہور عربی ادیب شریف مرتضی آپ کو ان اوصاف سے پکارتے ہیں: آپ فصاحت میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے ہیں، وعظ و ارشاد آپ پر ختم ہے، خوب علم رکھتے ہیں۔

آپ بات کے سچے اور پکے تھے، یونس بن عبید فرماتے ہیں کہ حسن بصری سے زیادہ کس کو اپنی بات میں سچا نہیں دیکھا۔ فن حدیث کی اچھی مہارت کے ساتھ آپ کو پختگی کے ساتھ روایات یاد تھیں، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حسن بصری سے احادیث کا سوال کرو، حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ سنا، حسن بصری کو یاد رہا اور ہم بھول گئے۔[13]

مرتب کتاب کہتے ہیں کہ ویسے تو آپ نے بہت لکھا، سنایا اور املا کرایا، مگر ہم اس عظیم علمی سرمایے سے محروم ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس سرمائے کو خود جلا دیا، چناں چہ سہل بن حصین کہتے ہیں کہ: میں نے حسن بصری کے صاحب زادے سے ان کے والد کی کتابیں بھیجنے کی خواہش کی، انہوں نے اپنے نمائندے کے ذریعے یہ بات بتائی اور بعد میں کسی موقع پر مجھے خود فرمایا کہ والد نے آخر ایام میں مجھے ایک دن حکم فرمایا کہ میں آپ کی تحریرات جمع کر کے آپ کی خدمت میں لے آؤں، چناں چہ میں لے آیا، مجھے اس کا علم بالکل نہیں تھا کہ وہ ان کے ساتھ کیا کرنے والے ہیں؟ آپ نے خادم سے فرمایا کہ: تنور گرم کرو، چناں چہ سوائے ایک صحیفے کے سب آگ کی نذر ہو گئیں، وہی ایک صحیفہ انہوں نے مجھے بھیجا۔[14]

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف عام طور پر تین کتب کی نسبت کی جاتی ہے: 1۔ تفسیر الحسن بن ابی الحسن البصری، 2۔ کتاب الحسن بن ابی الحسن فی العدد (عدد آی القرآن)، 3۔ الاخلاص۔ البتہ کتاب مرتب کو ایک کتاب فضائل مکہ والسکن فیہا دستیاب ہوئی، جس کا تعارف ان سطور میں درج کیا جارہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مرتب کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسے حسن بصری کا بارہ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ اور بھی ملا ہے جو مکتبہ الاوقاف العامرہ بغداد میں فرائض الدین کے عنوان سے موجود ہے۔[15]

یہ کتاب دراصل حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے بہ طور خط، اپنے عہد کے ایک عابد وزاہد عبد الرحیم یا عبد الرحمن بن انس الرمادی کے نام تحریر کی تھی، وہ نہایت تارک الدنیا قسم کے عابد تھے، جنہیں عبادت کے سوا کوئی مصروفیت نہ تھی۔ حضرت حسن بصری کو ان کی بابت علم ہوا کہ وہ مکہ مکرمہ چھوڑ کر یمن منتقل ہونا چاہتے ہیں، تو انہوں نے یہ خط تحریر کیا، جس میں مکہ مکرمہ اور وہاں قیام کے فضائل جمع کیے ہیں، اور انہوں نے موصوف کو مکہ مکرمہ کا قیام ترک نہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس کتاب میں ابتدا میں مؤلف نے قرآن کریم سے فضائل مکہ بیان کیے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر مکے کے فضائل ذکر کیے ہیں۔ پھر وہ متعدد قرآنی آیات، آل عمران: 96۔ 97۔ بقرہ: 126۔ حج: 29۔ حج: 26، بقرہ 125۔ بقرہ 127، نمل: 91 وغیرہ بیان کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے احادیث نبویہ سے فضائل مکہ ذکر کیے ہیں۔ ہماری دانست میں یہ کتاب صرف سیرت طیبہ کا پہلا مصدر ہی نہیں، اسلامی تراث میں سب سے پہلی معلوم مطبوع کتاب کا شرف رکھتی ہے، اس لیے کہ صحیفہ ہمام بن منبہ کے مؤلف حضرت ہمام بن منبہ سے اسے تقدم حاصل ہے، اگرچہ کہ دونوں معاصر ہیں، اور دونوں کا زمانہ تقریباً ایک ہے۔ مرتب کے سامنے دوران تحقیق اس کتاب کے تین مخطوطے موجود تھے: 1۔ عراقی عجائب گھر میں موجود مخطوطہ نمبر 1973۔ 2۔ رضا لائبریری رام پور ہندوستان مخطوطہ نمبر 3609، 3۔ مکتبہ البلدیۃ اسکندریہ مخطوطہ نمبر 118

مرتب کے بہ قول اس کتاب کے مزید مخطوطات بھی دنیا بھر میں موجود ہیں۔ دکتور فواد سیزگن نے تاریخ التراث العربی میں ان کی تفصیلات ذکر کی ہیں۔ مرتب ہی کے بیان کے مطابق اس کتاب کا فارسی اور ترکی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔[16]

مورج بن عمرو السدوسی م195ھ

مورج بن عمرو السدوسی دوسری صدی کے نمایاں صاحب کتاب ماہرین انساب میں سے ہیں۔ آپ کی کتاب حذف من نسب قریش ہم تک پہنچی ہے، یہ شائع شدہ ہے۔ یہ اجداد نبوی ﷺ کا قدیم اور جامع تذکرہ ہے، جس کے ذریعے آپ ﷺ کے اجداد کی باہمی رشتے داریوں اور ازواج و اولاد کے بارے میں مفصل معلومات حاصل ہوتی ہیں، چناں چہ اس کتاب میں مؤلف نے بنی ہاشم اور ان کے حلیف، بنو مطلب اور ان کے حلیف، بنی عبد الشمس اور ان کے حلیف، بنی نوفل اور ان کے حلیف، بنی عبد الدار اور ان کے حلیف، بنی عبد بن قصی اور ان کے حلیف، بنی عبد العزیٰ اور ان کے حلیف، بنی قصی اور ان کے حلیف، بنی زہرۃ بن کلاب اور ان کے حلیف، بنی مخزوم اور ان کے حلیف اور بنی تیم بن مرہ کے انساب ذکر کیے ہیں۔ اس طرح اس میں آل نبوت کے علاوہ تمام اہم صحابہ کرام کا نسب بھی موجود ہے جن میں خواتین کا ذکر بھی شامل ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اس موضوع پر ابتدائی ماخذ میں سے ہے، اس کا پہلا ایڈیشن ہمارے سامنے موجود ہے، جو اصل میں چار کتب کا مجموعہ ہے، مجموعہ رسائل کمالیہ کے نام سے مکتبہ المعارف، طائف سے شائع ہوا تھا، جس کی پہلی کتاب یہی حذف من نسب قریش ہے، اس کے

آغاز میں دکتور صلاح الدین المنجد کا مقدمہ ہے، اس میں انہوں نے اسے اس موضوع پر پہلی کتاب قرار دیا ہے، تحریر مقدمہ کے وقت تک یہ بات درست ہوگی، اب جب کہ ہمارے پاس کتاب نسب قریش از ابو عبد اللہ مصعب بن عبد اللہ الزبیری 156-236ھ موجود ہے تو اسے علی الاطلاق پہلی کتاب کہنا مشکل ہے، دونوں کتب ایک ہی عہد کی معلوم ہوتی ہیں۔ البتہ سن وفات کے تقدم کے سبب مورج کو قدیم کہا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ کتاب مورج کے دو تلامذہ ابو عبد اللہ محمد بن عباس الیزیدی اور ابو جعفر احمد بن محمد اللہ الیزیدی سے مروی ہے۔

کتاب کا آغاز ہاشم بن عبد مناف اور ان کے دیگر بھائیوں کے ذکر سے ہوتا ہے، اور اس کے ضمن میں مؤلف یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ہاشم قریش کو کہا کرتے تھے کہ سردیوں اور گرمیوں میں الگ الگ شام اور یمن کا سفر تجارت کیا کرو، کیوں کہ شام ٹھنڈا علاقہ ہے اور یمن گرم۔ اسی کو قرآن نے رحلت الشتاء والصیف کہا ہے[17]۔ یہ تذکرہ نہایت مختصر ہے، چناں چہ عبد المطلب کے ذکر میں واقعہ فیل اور زم زم کی کھدائی کا ذکر صرف ایک سطر میں ہے: وقد کانوا جاؤ بالفیل وارادوا ہدم البیت، وہو الذی حفر زمزم۔[18]

اسی طرح بہت سے واقعات سیرت کی جانب مؤلف اختصار کے ساتھ اشارے کرتے ہوئے اور نسب بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ضمن میں لیلۃ عقبہ میں انصار سے عہد لیے جانے کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔[19] غزوہ حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت عباس کی شرکت کا ذکر بھی ہے۔[20] اور ان کی اولاد میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا کی تھی کہ اللہ ان کو تفسیرِ قرآن کا علم عطا فرما۔[21] مورج نے ایک باب یہ بھی قائم کیا ہے کہ اولاد عبد المطلب میں کون کون اسلام نہیں لایا۔[22]

مؤلف کا اسلوب یہ ہے کہ وہ مسلسل نسب کی تفصیلات بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ کہیں کوئی تاریخ کا معروف واقعہ بیان کرتے ہیں، یا اس کی جانب اشارہ کرتے ہیں، مگر روایت اور سند بیان نہیں کرتے۔ اسی طرح کلام عرب بھی جا بہ جا ذکر کرتے ہیں، مگر سند کے بغیر، البتہ کہیں کہیں بیان سے قبل یہ کہتے ہیں: بلغنی (مجھ تک یہ بات پہنچی ہے) لیکن اپنی معلومات اور کتاب کی قدامت کے سبب یہ اہم مصدر سیرت ہے۔

محمد بن حسن الزبالۃ م199ھ

محمد بن حسن الزبالۃ مدینہ منورہ سے تعلق رکھتے تھے، اور مخزومی الاصل تھے۔ تاریخی روایات اور مقامات واماکن کی پہچان میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ سمہودی نے اپنی معروف کتاب وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ﷺ میں ابن زبالۃ پر ہی انحصار کیا ہے۔

ابن زبالۃ کی سیرت پر ایک کتاب ازواج النبی ﷺ کا ذکر ملتا ہے۔ یہ کتاب مختصر ہے مگر اپنے اختصار کے باوجود نہایت اہم مصدر سیرت کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب زبیر بن بکار کی روایت سے ہم تک پہنچی ہے۔[23]

ابن زبالۃ نے کتاب کا آغاز حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے حالات سے کیا ہے، اور اختتام حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے حالات پر ہوتا ہے، اس کتاب میں حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور حضرت میمونہ بنت حارث کا تذکرہ زیادہ تفصیل سے ہے۔ باقی ازواج کا ذکر اختصار کے ساتھ ہے۔ مؤلف نے ہر بات سند کے ساتھ ذکر کی ہے، اور اس ضمن میں خاصے اہتمام سے کام لیا ہے۔ البتہ آج ہمارے درمیان موجود معلومات کے حوالے سے اس میں زیادہ تفصیلات موجود نہیں ہیں، مگر چونکہ اپنے موضوع پر یہ ابتدائی اور قدیم ترین کتاب ہے، اس لئے

بہ طور مصدر سیرت اس کی اہمیت میں کلام نہیں ہو سکتا۔

ابن زبالہ حدیث میں زیادہ معتبر راوی شمار نہیں ہوتے، چناں چہ ازدی امام مالک سے نقل کرتے ہیں کہ یہ ضعیف ہیں۔[24]

عبد الملک بن قُریب الاصمعی 217ھ

عبد الملک بن قُریب الاصمعی 123ھ میں پیدا ہوئے اور یہ اپنے دادا اصمع کی طرف منسوب ہو کر اصمعی کہلائے۔[25] آپ بصرے میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے، 173ھ میں بغداد کا رخ کیا، اور برامکہ کے حملے کے بعد 188ھ میں بغداد چھوڑ کر واپس بصرہ لوٹ گئے۔[26]

عبد الملک بن قُریب الاصمعی کے اساتذہ میں شعبۃ بن حجاج، مسعر بن کدام، ابو عمرو بن علاء، حماد بن سلمہ، خلیل بن احمد الفراہیدی، مورج بن عمرو السدوسی وغیرہ شامل ہیں، اسی طرح ان سے جن مشہور لوگوں نے روایت کی ہے، ان میں اصمعی کے بھتیجے عبد الرحمن بن عبد اللہ، ابو عبید قاسم بن سلام، ابو حاتم سجستانی اور احمد بن محمد الیزیدی شامل ہیں[27]۔ عبد الملک کا حافظہ بہت قوی تھا، ابو داوٗد کہتے ہیں کہ اصمعی سچے راوی تھے، وہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے خوف محسوس کرتے تھے جیسا کہ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے وہ خوف محسوس کرتے تھے۔ (احتیاط کی وجہ سے)۔ مبرد کہتے ہیں کہ اصمعی لغت کے بارے میں سمندر تھے، لغت اور کثرت روایات میں ان جیسے کسی دوسرے شخص کا ہمیں علم نہیں[28]۔ اصمعی ہارون الرشید کے مقربین میں شمار ہوتے تھے اور لغت، تاریخ اور احوال عرب کے حوالے سے ان کی کئی کتب کے نام ملتے ہیں۔

مشہور قول کے مطابق بصرے میں صفر یا رمضان کے مہینے میں 88 سال کی عمر میں 217ھ میں انتقال ہوا۔[29] مرتب کتاب نے تاریخ العرب قبل الاسلام کے مقدمے میں الاصمعی کی 58 کتب کی فہرست دی ہے۔ خاص مطالعۂ سیرت کے حوالے سے آپ کی چار کتب کے نام ملتے ہیں: کتاب الخراج، کتاب النسب، کتاب جزیرۃ العرب۔ اور تاریخ العرب قبل الاسلام۔

ان کتب میں تاریخ العرب قبل الاسلام شائع ہو چکی ہے، اور ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ عرب تاریخ کا اہم اور قدیم ترین حوالہ ہے۔ اس کتاب میں عرب اور قبائل عرب کے حوالے سے قیمتی معلومات موجود ہیں۔ یہ کتاب ابن السکیت کے قلم سے ہم تک پہنچی ہے۔ ابن السکیت کا پورا نام ابو یوسف یعقوب بن اسحاق ہے، ابن السکیت بنیادی طور پر ایک ماہر لغت ہیں، اسی حیثیت میں ان کی کئی کتب بھی معروف ہیں۔ ثعلب کہتے ہیں: اجمع اصحابنا انه لم یکن بعد ابن الاعرابي اعلم باللغة من ابن السکیت[30]۔ ابن السکیت متوکل کے بیٹے کے اتالیق اور متوکل کے دوست تھے۔ ان کی شہادت پیر 25 رجب 244ھ کو ہوئی۔ یہ نسخہ مکتبہ امام حسن، کاظمیہ میں محفوظ تھا، اس سے مرتب کر کے شائع کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ 243 میں ہی لکھا گیا، یعنی مؤلف اصمعی کے انتقال کے 26 برس بعد تحریر ہو گیا تھا۔

تاریخ العرب قبل الاسلام کے اہم مباحث:

قحطان۔ عمالقہ اور ان کی اولاد۔ ابرھہ۔ تبع اور ان کے معاصر و مابعد اہم اقوام و قبائل کے احوال۔ اس ضمن میں معروف شخصیات کے قصائد اور وصایا بھی نقل کیے گئے ہیں، اور ان کے بارے میں موجود معلومات سے بھی اعتنا کیا گیا ہے۔ یہ کتاب خلیفۂ وقت ہارون الرشید کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہے، جو اس وقت کا عام اسلوب تھا۔ چنانچہ آغاز کتاب میں مؤلف علام خلیفۂ وقت کو جمع حاضر کے صیغے سے مخاطب کرتے ہیں، اور بتاتے ہیں کہ آپ کے حکم پر یہ کتاب لکھی جا رہی ہے۔[31]

کتاب کا اسلوب یہ ہے کہ کسی بھی نئی بات کے بیان سے قبل صاحب کتاب کہتے ہیں: و بلغنی یا امیر المومنین۔ ان ...یعنی اے امیر المومنین فلاں واقعے کے بارے میں ہمیں یہ معلوم ہوا ہے۔ چناں چہ سیف بن ذی یزن کے دربار میں روسائے مکہ کے ایک وفد کا ذکر بھی اس کتاب میں ملتا ہے، جو جناب عبد المطلب کی قیادت میں گیا تھا، اور جس میں ان کے علاوہ امیہ بن خلف، امیہ بن عبد الشمس اور خویلد بن اسد بھی شامل تھے۔ اس گفت گو کے جو حصے عبد الملک بن قُریب الاصمعی نے اپنے اس کتاب میں نقل کیے ہیں، وہ قدیم عربی خطابت کے اسلوب میں ہیں، جہاں سجع اور قوافی کا استعمال انہیں مرصع بھی کرتا ہے اور پر تکلف بھی بناتا ہے۔ اس واقعے میں دل چسپ بات یہ ہے کہ سیف ذی یزن نے اس موقع پر جناب عبد المطلب کی جانب سے اپنے تعلق خاطر کے اظہار کے جواب میں اپنے قریبی تعلق کا اظہار "ابن اخینا" کہہ کر کیا کہ ہمارے بھتیجے! جس پر انہوں نے جی ہاں کہہ کر اس کی تائید کی اور پھر حضور اکرم ﷺ کی علامتیں بیان کیں، یہ علامتیں اس قدر واضح تھیں کہ عبد المطلب نے فوراً ان کا اثبات کیا اور یہ سن کر اس قدر جذباتی ہوئے کہ سجدے میں گر پڑے، سیف نے کہا کہ کھڑے ہوئے اور بتائیے کہ میری بات کس قدر درست ہے؟ کیا ایسا ہو چکا؟ تو جناب عبد المطلب نے تفصیل ذکر کی۔ ان کی بیان کردہ علامات میں آپ ﷺ کی ولادت، نام گرامی، محمد، سینے پر مہر نبوت، والدین کی جلد وفات اور بلند و ارفع شان شامل تھیں۔[32]

بہ ہر کیف یہ کتاب اسی نوعیت کے دل چسپ مضامین پر مشتمل ہے، مگر دقت یہ ہے کہ کتاب میں اسناد موجود نہیں ہیں، تمام بیانات بلغنی (ہمیں یہ بات پہنچی ہے) کے صیغے سے مذکور ہیں۔

ابو عبید قاسم بن سلام 224ھ

ابو عبید قاسم بن سلام الہروی البغدادی، خراسان کے علاقے ہرات سے تعلق رکھتے ہیں۔ سلام تشدید کے ساتھ ہے، یہ ان کے والد کا نام ہے، جو ایک رومی غلام تھے، ابو عبید قاسم بن سلام، 150ھ میں، 154ھ ہرات خراسان میں پیدا ہوئے، اوائل حیات میں وہیں تعلیم حاصل کی، پھر بصرہ، کوفہ اور دمشق وغیرہ کے سفر کیے، 213ھ میں مصر آئے، اور یحیٰ بن معین سے اکتساب فیض کیا۔ 219ھ میں حج کے لیے مکے آئے، حج کے بعد وہیں مقیم ہوگئے اور وفات تک وہیں مقیم رہے۔ محرم 224ھ میں انتقال ہوا، اور وہیں دفن ہوئے۔ سن وفات میں 222ھ۔ 223ھ اور 230 کے اقوال بھی ہیں۔

ابو عبید کے شیوخ میں درج ذیل اہم نام شامل ہیں: علی بن مبارک الاحمر، اسحاق بن یوسف ازرق، اسماعیل بن جعفر، اسماعیل بن عیاش، عبد المالک بن قریب اصمعی، یحیٰ بن سعید اموی، ابو بکر بن عیاش، ابوزیاد الکلابی، ابو زید انصاری، سفیان بن عیینہ، محمد بن ادریس الشافعی، قاضی شریک بن عبد اللہ، عبد الاعلیٰ بن مسہر، عبد اللہ بن مبارک، ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ، ابوزکریا یحیٰ بن زیاد الفرا، علی بن حمزہ، الکسائی، وکیع بن جراح، یحیٰ بن آدم، یحیٰ بن سعید القطان شامل ہیں۔[33]

اس طرح آپ کے تلامذہ میں بھی بڑے وقیع اور مشہور نام شامل ہیں۔ مثلاً: ابراہیم بن عبد العزیز البغوی، احمد بن ابراہیم وراق، امام احمد بن محمد حنبل، احمد بن یحیٰ البلاذری، امام محمد بن اسماعیل البخاری، امام ترمذی، حارث بن محمد التمیمی، حسن بن محمد بن زیاد القرشی، حسن بن مکرم البزار، امام ابوداؤد، ابوخثیمہ زہیر بن حرب، عباس بن محمد الدوری، عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی، ابن ابی الدنیا، وکیع بن جراح۔[34]

ابو عبید کی یادگار تیس سے زائد کتب ہیں، جن کا تعلق، علوم قرآن، حدیث، فقہ، لغت، امثال اور ادب وغیرہ سے ہے۔ آپ کی اہم ترین کتاب جو آپ کا اصل تعارف ہے، وہ کتاب الاموال ہے۔ یہ محمد حامد الفقی نے قاہرہ سے 1353ھ میں پہلی بار شائع کی تھی۔ دوسری شائع شدہ کتاب الخطب والمواعظ ہے۔

الخطب والمواعظ۔

یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے، جس کا غالب حصہ خطبات و مواعظ انبیائے کرام پر مشتمل ہے، ان کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے خطب و مواعظ بھی اس کتاب میں موجود ہیں۔

ہماری دل چسپی کا باب اس کا پہلا باب ہے، خطب النبی محمد ﷺ ووصایاہ، وعدہ الی الناس فی الخطب وغیرہا۔

یہ نسخہ جرمنی میں لیبزگ لائبریری میں محفوظ مخطوطے سے مرتب کیا گیا ہے، جو 286ھ کے نسخے سے 749ھ میں نقل کیا گیا تھا۔ اس باب میں 18 روایات ہیں، جو خطبات اور وصایا سے تعلق رکھتی ہیں، مگر ان میں در حقیقت دو روایات ہی ایسی ہیں، جنہیں خطبہ یا وعظ کہا جاسکتا ہے، ایک توحجۃ الوداع کے خطبے کا حصہ ہے، دوسری روایت میں عبد اللہ بن حنطب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو وعظ فرمایا۔[35]

قابل ذکر بات یہ ہے کہ دیگر انبیائے کرام کے بیان کا بھی بڑا حصہ احادیث ہی پر مشتمل ہے، اور حضرت ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے خطبات میں بھی اقوال نبی ﷺ موجود ہیں، حضرت عمر کا ایک خطبہ تو رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ ہی ہے، چناں چہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا اور فرمایا: انی قمت فیکم کمقام رسول اللہ فینا۔ میں تمہارے درمیان ایسے ہی کھڑا ہوں، جیسے رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے، اور فرمایا تھا۔۔ اس کے بعد پورا خطبہ نبوی منقول ہے۔[36]

یہ کتاب دکتور رمضان عبد الاتواب کی تحقیق کے ساتھ مکتبہ الثقافۃ الدینیہ، مصر سے شائع ہوئی ہے۔

کتاب الاموال

ابو عبید قاسم بن سلام کی اہم ترین مطبوع کتاب اور ان کا اصل تعارف کتاب الاموال ہے، جو اپنے عنوان کے مطابق مالی اور ریاستی امور سے بحث کرتی ہے، کتاب الاموال 14 اجزا پر مشتمل ہے۔ اس میں عشر، خراج، مال فے، جزیہ، صلح، امیر کے احکام اور حقوق، اراضی کے مسائل، خمس، معدن، رکاز سے وابستہ مسائل، زکاۃ اور صدقات کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ یہ کتاب سیرت طیبہ کا بہت بڑا اور نہایت اہم مصدر ہے، خصوصیت کے ساتھ نبوی مکاتیب اور معاہدات کے متون اس میں کثرت سے موجود ہیں۔ یہ کتاب 1998 احادیث پر مشتمل ہے۔ جن میں مرفوع احادیث کے ساتھ بڑی تعداد میں آثار و احکام صحابہ بھی موجود ہیں۔ اس کتاب میں درج ذیل مکاتیب و معاہدات نبوی کے متون یا ان سے متعلق تفاصیل مذکور ہیں: کسریٰ، اہل یمن و اہل نجران، میثاق مدینہ، دو الگ الگ مقامات پر ہے[37]۔

کتاب لاہل نجران، ثقیف (دو خطوط) لاھل دومۃ الجندل، لاہل ہجر، لاہل ایلہ، الیٰ خزاعۃ، کتاب زرعۃ بن ذی یزن، کتاب رسول اللہ ﷺ فی الصدقۃ الی عمرو بن حزم۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مختلف افراد کو جو زمینیں عطا کیں، ان کی تفصیلات بھی مذکور ہے، مثلاً: حضرت زبیر [38]، بلال بن حارث مزنی [39] فرات بن حیان [40] ابو ثعلبہ خشن [41] تمیم داری [42] وغیرہ یہ تمام تفصیل کتاب احکام اراضین میں موجود ہے۔

کتاب الاموال میں مختلف غزوات و سرایا اور خصوصاً ان کے دوران حاصل ہونے والے مال غنیمت وغیرہ کی تفاصیل بھی اس میں موجود ہیں، چناں چہ سریہ وادی قریٰ [43] اساریٰ بدر [44] حنین و ہوازن، احزاب [45] خیبر [46] بنی مصطلق [47] رسول اللہ ﷺ کا حصہ [48] مال غنیمت کی تقسیم سے قبل رسول اللہ ﷺ کا مخصوص حصہ اور اس کا حکم [49] یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکالنے کا حکم [50] فتح مکہ کا خطبہ [51] حج ابو بکر رضی اللہ عنہ اور اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کا واقعہ [52] جابیہ سے رسول اللہ ﷺ کا عمرہ ادا کرنا [53] وذ ہبی حنفیہ [54] رسول اللہ ﷺ غنیمت کیسے تقسیم فرماتے تھے [55]۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی جانب روانہ کرتے ہوئے وصیت نبوی [56] آپ صدقہ قبول نہیں فرماتے تھے، ہدیہ قبول فرمالیتے تھے۔ [57]

اس طرح یہ ایک اہم مصدرِ سیرت ہے، اور ابتدائی عہد کا مصدر ہونے کے سبب خصوصاً مالی امور میں اس سے نہایت اہم راہ نمائی ملتی ہے، غیر مسلموں سے تعلقات کے حوالے سے بھی نصوص کا بہترین مجموعہ ہے۔ تمام روایات مکمل سند سے مذکور ہیں، اور اہل علم کے ہاں کتاب الاموال ہر عہد میں متداول رہی ہے۔

ابو عبد اللہ مصعب بن عبد اللہ بن مصعب بن ثابت م236ھ

نام مصعب بن عبد اللہ اور کنیت ابو عبد اللہ ہے، آپ عبد اللہ بن زبیر کے پوتے ہیں، مدینہ منورہ میں 156ھ میں آپ پیدا ہوئے، آپ کو حضرت امام مالک سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے، پھر آپ مدت تک بغداد میں ہی قیام پذیر رہے، وہیں اسی برس کی عمر میں 236ھ / 18 اپریل 851ء کو انتقال ہوا۔ ابن ندیم نے تاریخ وفات شوال 233ھ ذکر کی ہے، ہم نے خطیب بغدادی کی تاریخ پر اعتماد کیا ہے، جسے ان کے تذکرہ نویس قابل اعتماد قرار دیتے ہیں۔ [58]

مصعب بن عبد اللہ شاعر بھی تھے اور اغانی میں ان کے کلام کا کچھ حصہ بھی مذکور ہے، معروف ماہر انساب اور اس موضوع پر معروف کتاب "نسب قریش واخبارہم۔" کے مؤلف زبیر بن بکار (م256ھ) ان کے بھتیجے ہیں، انہوں نے اپنے چچا کی روایات انساب سب سے زیادہ نقل کی ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں امام مالک کے علاوہ عبد العزیز الدراوردی، ضحاک بن عثمان، ابراہیم بن سعد اور عبد العزیز بن ابی حاتم بھی شامل ہیں، اور تلامذہ میں یحیی بن معین اور ابو خیثمہ مشہور ہیں، ابو خیثمہ آپ کی اس کتاب کے بھی ایک اہم راوی ہیں۔ آپ کے دیگر تلامذہ میں زبیر بن بکار (آپ کے بھتیجے) ابراہیم حربی، محمد بن موسی بربری، یعقوب بن یوسف المطوعی، عبد اللہ بن احمد بن حنبل، ابو القاسم بغوی شامل ہیں یحیی بن معین نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نسب کی یہ تفصیلات امام واقدی سے لی ہیں، اور زبیر نسب کے عالم تھے۔ امام دار قطنی نے بھی انہیں ثقہ کہا ہے۔ [59]

یہ کتاب 12 اجزا پر مشتمل ہے، اور معروف مستشرق لیفی پرفیال کی تدوین کے ساتھ بیسویں صدی کے وسط میں قاہرہ سے شائع ہوئی ہے۔ اور تمام کتاب قریش کے انساب پر مشتمل ہے۔ اس کے ابتدائی دو اجزا براہ راست سیرت سے تعلق رکھتے ہیں۔

پہلا جزعدنان سے شروع ہوتا ہے، اور بنیادی معلومات کے حوالے سے اہم اور قدیم ترین ماخذ ہے، اس میں مؤلف نہ صرف شخصیت کے باپ دادا، بہن بھائی اور اولاد کا ذکر کرتے ہیں، بل کہ ان کے خاندانی رشتے خصوصا خاندان کی خواتین کا ذکر اہتمام کے ساتھ کرتے ہیں اور دور تک کرتے ہیں۔ چناں چہ جناب عبد المطلب کی اولاد کا تذکرہ کتاب کے تقریباً چار صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اور ابتدا ہی ام حکیم بیضا (حضور ﷺ کی پھوپھی) کا ذکر کر کے بتاتے ہیں کہ یہ حضور کے والد کی جڑواں بہن تھیں، یہ ان کی مزید بہنوں کا ذکر کر کے کہتے ہیں کہ ان کی والدہ فاطمہ بنت عمرہیں، ان کی والدہ تحمر بنت عبد بن قصی ہیں، ان کی والدہ سلمی بنت عامرہ ہیں، ان کی والدہ فاطمہ بنت عبد اللہ ہیں، یہ ہذیل کے حلیف تھے۔یعنی ماؤں کے نسب میں بھی انہوں نے چار پشتوں کا احاطہ کیا ہے[60]۔مؤلف علام نے پوری کتاب میں یہی اسلوب بر قرار رکھا ہے۔ اس کے بعد جناب عبد اللہ کی اولاد کا عنوان قائم کر کے حضور ﷺ کا اور پھر آپ کی اولاد کا تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ کون کب، کس سے پہلے اور کس کے بعد پیدا ہوا، نیز کون سی اولاد کس سے ہوئی اور کس کی کب وفات ہوئی۔[61] نیز آپ ﷺ کی صاحب زادیوں اور ان کی اولاد کا بھی ذکر ہے۔ یہ تذکرہ تقریباًپانچ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے ذکر میں یہ بحث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کون زیادہ مشابہ تھا؟ اس کے بعد کے ابواب میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور ان کی اولاد کا تفصیلی بیان ہے۔ ان مثالوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کتاب کی بہ طور مصدر سیرت کیا قدر و منزلت اور اہمیت ہے۔

خلیفہ بن خیاط۔240ھ

خلیفہ بن خیاط تیسری صدی کے اہم مورّخ شمار ہوتے ہیں، ان کا پورا نام ابو عمرو خلیفہ بن خیاط بن ابی ھبرہ الشیبانی العصفری البصری ہے۔ آپ بصرہ میں پیدا ہوئے، اس وقت بصرہ ایک وقیع علمی مرکز کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا، وہیں آپ کی تعلیم ہوئی، وہاں اس وقت لغت، حدیث، سیرت تاریخ، فقہ وغیرہ کے ماہرین جمع تھے۔240ھ میں وفات پائی۔ وفات کے بارے میں 230، اور 246 کے اقوال بھی ہیں۔[62]

خلیفہ بن خیاط کی پانچ کتب کے نام ملتے ہیں: الطبقات، التاریخ، طبقات القراء، تاریخ الزمنی والعرجان والمرضیٰ والعمیان، اجزاء القرآن واعشارہ واسباعہ وآیاتہ[63]

لیکن صرف ابتدائی دوکتب ہی تاحال دست یاب ہیں، اور ہمارے موضوع سے بھی وہی تعلق رکھتی ہیں۔

اہل جرح وتعدیل کے ہاں آپ کے بارے میں ملے جلے اقوال ملتے ہیں، ابن حجر عسقلانی نے ان کا تعارف اچھے لفظوں میں کرایا ہے[64]، ذہبی اور دیگر کے ہاں بھی ان کے بارے میں مثبت خیالات ملتے ہیں۔[65]

آپ نے جن حضرات سے روایت کی ہے، ان میں سے چند کے اسما یہ ہیں: اسماعیل بن امیہ، بشیر بن المفضل، ابوداؤد اطیاسی، یزید بن زریع۔ عبدالرحمن بن مہدی، کھمبس بن المنہال، معاذ بن معاذ عنبری۔ معتمر بن سلیمان۔ ابن عینیہ

اسی طرح آپ سے امام بخاری سمیت بہت سے حضرات نے روایت کی ہے، چناں چہ امام بخاری نے ان سے 18 مقامات پر روایت نقل کی ہے۔ ان کے اساتذہ اور شیوخ میں دکتور ضیاعمری کے مطابق محمد بن اسحاق سر فہرست ہیں، جن سے انہوں نے بہت استفادہ کیا ہے، دیگر حضرات میں وہب بن جریر، ابو معشر سندی، ابو عبیدہ معمر بن مثنی، ہشام کلبی، سحیم بن فحص، ولید بن ہشام اور عبداللہ بن

مغیرہ، عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی، بقی بن مخلد (راوی التاریخ) عبداللہ بن احمد بن حنبل شامل ہیں[66]۔ اس کتاب سے بعد میں بھی استفادہ ہوا ہے، چنانچہ طبری کی تاریخ میں بھی اس کے حوالے ملتے ہیں۔

ان کی کتاب التاریخ ان کے شاگرد بقی بن مخلدم286ھ سے روایت کی گئی ہے۔ یہ کتاب پہلی بار1386ھ میں عراق سے دکتور ضیاء العمری کی ادارت سے شائع ہوئی تھی۔ 1414ھ میں اس کی ایک اشاعت دکتور سہیل زکار کی ادارت سے دارالفکر بیروت سے شائع ہوئی، اس کا ایک نسخہ دارالکتب العلمیہ، بیروت سے 1995ء میں شائع ہوا۔ جس میں ادارت میں دونام درج ہیں: دکتور مصطفی نجیب نواز اور دکتورہ حکمت کشلی فواز۔ خلیفہ بن خیاط علمی اور شخصی وجاہت کے حامل تھے اور اپنے خیالات کا مکمل اظہار کرتے تھے، چناں چہ ان کے شاگرد امام وکیع کا بیان ہے کہ بصرہ کے بعض معتزلہ نے شہر کے قاضی احمد بن رباع سے جو223ھ /836ء میں بصرہ کے قاضی تھے، شکایت کی۔ چناں چہ قاضی نے تمام اہم سربر آوردگان شہر کو اپنی عدالت میں طلب کر لیا، جن میں ابوالربیع الزہرانی حسین بن محمد النداع اور خلیفہ بن خیاط وغیرہ تھے۔ خلیفہ بن خیاط کی جرأت ایمانی تھی کہ وہ قاضی کی عدالت میں اپنے معتزلی مخالفین کے مقابل مردانہ وار کھڑے ہوگئے اور خلیفہ معتصم کے عقائد سے اختلاف کیا، جو پوری طرح سے معتزلہ کے حامی تھے۔[67]

تاریخ خلیفہ بن خیاط میں ان معروف رواۃ کی روایات ملتی ہیں: ابو معشر: 51۔57۔58۔59۔60۔227-104

مصعب بن زبیر: 165۔167۔185۔187۔188، 264، 267

موسیٰ بن عقبہ: ص16 ان سے ولادت نبوی کے حوالے سے روایت ہے کہ ولد بعد الفیل بثلاثین عاما

عروہ ابن زبیر: 155، 89، 65، 47، 24، 18

واقدی کے نام سے بھی ایک روایت ہے: ص 143۔ اس کتاب کے ابتدائی ۷۳ صفحات سیرت سے تعلق رکھتے ہیں[68]۔ ان میں ولادت نبوی سے پہلے کے حالات سے متعلق چند روایات کے بعد، جن میں ہجرت سے توقیت ہجری کے آغاز سے متعلق روایات بھی ہیں، ولادت نبوی کا بیان شروع ہوتا ہے، اور مزید اہم عنوانات یہ ہیں:

ہجرت، غزوہ ابواء میں موجود صحابہ کرام کے نام، سیف البحر، تحویل قبلہ، غزوئہ ذی امر، بحران، احد، شرکائے احد، حمراء اسد، بیر معونہ، حکم رانوں کو خطوط، بنی مصطلق، حدیبیہ، خیبر، موتہ، فتح مکہ، بواط، سویق، بدر، اور بدر میں حنین، طائف، مولفۃ قلوب کے اسما، تبوک، حجۃ الوداع، وفات، یہ تمام واقعات تاریخی ترتیب سے سن وار ہیں، اس اسلوب کے اعتبار سے بھی یہ پہلی تاریخی کتاب ہے۔ مؤلف نے خصوصیت کے ساتھ وفیات ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے، اور ہر سال کے اہم واقعات کے آخر میں اس سال وفات پانے والی شخصیات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس کتاب سے بعد میں بھی استفادہ ہوا ہے، چناں چہ طبری کی تاریخ میں بھی اس کے حوالے ملتے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ تاریخ خلیفہ بن خیاط میں مؤلف کا بڑا انحصار ابن اسحاق پر ہے، مگر مؤلف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اکثر و بیش تر ایک ماخذ سے ایک واقعے کی روایت بیان کرنے کے بعد دوسرے ماخذ میں اگر کوئی اختلافی یا توضیحی بیان موجود ہے تو اسے ضرور بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت خبیب کے واقعۂ شہادت کا ذکر ابن اسحاق کی وساطت سے کیا ہے، مگر اس میں اضافے کے لیے زہری کی روایات بھی شامل بیان

کی ہیں[69]۔ یہی معاملہ تواریخ کا بھی ہے، بعض مقامات پر واقعات کی تاریخ میں اگر مختلف رواۃ سیرت سے اگر اختلاف نقل ہے، تو اسے بھی ضبط کرنے کا اہتمام فرماتے ہیں، یا واقعے کی تفصیل میں اضافہ کرتے ہیں، جیسے غزوہ خیبر کے بارے میں پہلے تو ابن اسحاق سے نقل کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ ذی الحجہ اور محرم کا کچھ حصہ مدینے میں مقیم رہے، پھر محرم ہی میں خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ علی بن محمد کہتے ہیں کہ خیبر کے لیے رسول اللہ ﷺ محرم میں روانہ ہوئے، صفر میں اسے فتح کیا، اور ربیع الاول کی ابتدا میں واپس مدینے لوٹ آئے۔ گو کہ خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ کا آغاز بیان ہجرت سے کیا ہے، مگر اختصار کے ساتھ اس قدر واقعات بیان کیے ہیں کہ اس کتاب کو واقعات سیرت کی جامع فہرست بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کتاب کی اہم خصوصیت ہر سال اور ہر شہر کے لحاظ سے حکومتی عہدے داروں کے بارے میں معلومات کی فراہمی ہے۔ وہ اپنی کتاب میں جا بہ جا شہروں کی فہرست کے ساتھ اس کے امرا اور عہدے داروں کو بھی یاد کرتے ہیں۔ دوسری خصوصیت سالوں نیز ہفتے کے ایام کا ذکر ہے، جو کہ دوسرے مآخذ کی نسبت بہت قابل توجہ ہے۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ تاریخ خلیفہ کا مضمون، یعقوب اور مسعودی جیسی دوسری کتابوں کی بہ نسبت جن میں مذہبی اور سیاسی رجحان واضح نظر آتا ہے، ہر قسم کے موقف سے عاری ہے۔ یعنی خالص مؤرخانہ اور معروضی ہے۔[70]

کتاب الطبقات

خلیفہ بن خیاط کی دوسری کتاب ''کتاب الطبقات'' کے عنوان سے ہے۔ طبقات کے عنوان سے ابن سعد کی کتاب زیادہ معروف ہے، خلیفہ ابن خیاط بھی ان کے معاصر ہیں۔ البتہ ان کا انداز ابن سعد سے مختلف ہے۔ ابن سعد نے اپنی ابتدائی دو جلدوں میں سیرت نبوی بیان کی ہے۔ تیسری جلد میں صحابہ کرام میں سے اصحاب بدر اور انصار کے نقبا کا ذکر ہے، چوتھی جلد صحابہ کرام کے تیسرے طبقے اور فتح مکہ سے قبل اسلام لانے والوں کے لیے وقف ہے، پانچویں جلد مدینے کے تابعین اور مکہ، طائف، یمن، یمامہ اور بحرین سے تعلق رکھنے والے صحابہ اور تابعین کے تذکرے کے لیے ہے، چھٹی جلدی میں اہل کوفہ میں سے صحابہ اور تابعین کا بیان ہے، اور ساتویں جلد میں بصرہ، شام، مصر، خرسان اور دیگر مقامات سے تعلق رکھنے والے صحابہ کرام کا تذکرہ ہے۔ آخری جلد خواتین صحابیات کے لیے ہے۔

جب کہ خلیفہ بن خیاط کی کتاب الطبقات ایک ہی جلد پر مشتمل ہے، یہ ابو عمران موسیٰ بن زکریا بن یحییٰ التستری کی روایت سے ہے، اور اسے دکتور سہیل زکار نے مرتب کیا ہے۔ یہ 1993ء میں پہلی بار دار الفکر بیروت سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مؤلف نے بھی کتاب کا آغاز تو رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ سے کیا ہے، یہ تذکرہ کتاب کے صرف تین صفحات پر مشتمل ہے، پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سمیت دیگر ہاشمیوں کا ذکر ہے۔ پھر بنی امیہ اور قریش کے دیگر بطون کو لیا ہے، اس ترتیب سے کہ نسب میں جو صحابہ رسول اللہ ﷺ سے جس قدر قریب ہیں، انہیں ان کے قبائل کے ساتھ پہلے ذکر کیا ہے، دوسرے کو بعد میں بیان کیا ہے، اور عربوں کی عام روایت کے مطابق بنو ہاشم کے موالی کو بھی بنو ہاشم کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسی طرح دیگر قبائل کا بھی معاملہ ہے۔ چناں چہ بنو ہاشم ہی میں رسول اللہ ﷺ سے تعلق کے حوالے سے شمار کرتے ہوئے حضرت زید بن حارثہ، اسامہ بن زید، ثوبان، ابو السمح، شقران افلح رضی اللہ عنہم کا بھی ذکر ہے۔ اسی کے ذیل میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی ہے[71]۔ یہ تمام تذکرے مختصر ہیں، مگر چوں کہ اس میں زیادہ تر وہ اسمائے گرامی شامل ہیں جن کا نسبتی یا صحبتی

تعلق جناب رسول اللہ ﷺ سے تھا، اور ان کے نسب بھی اہتمام سے بیان کیے گئے ہیں، اس لیے اس مختصر سے تذکرے کے باوجود کتاب الطبقات کی بہ طور ماخذ سیرت اپنی اہمیت ہے، اور اسے پیش نظر رکھ کر سیرت کے بیان میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ اور خصوصاً رشتوں اور قبائل و انساب کی بحث میں اس سے بڑی الجھنیں دور ہو سکتی ہیں۔

خلیفہ بن خیاط کی کتاب طبقات کے ابن سعد کی طبقات ساتھ اس موضوع پر ان قدیم ترین آثار میں سے ہے، جو آج تک باقی ہیں۔ خلیفہ کی طبقات، مختصر ہونے کے باوجود، جغرافیائی اعتبار سے طبقات ابن سعد کی نسبت کہیں زیادہ وسیع ہے اور دنیائے اسلام کے چند بڑے شہروں کے علاوہ، کچھ نسبتاً چھوٹے شہروں کا ذکر بھی اس میں آیا ہے۔ طبقات میں اختصار کے باوجود اہم تاریخی معلومات، خصوصاً اشخاص کے بارے میں موجود ہیں۔ خاص طور پر وہ بعض شخصیات کے رہائشی مقام کا بھی ذکر کرتے ہیں، جس کی علاقائی تاریخ کے اعتبار سے ایک خاص اہمیت ہے۔[72]

محمد بن حبیب 245ء

محمد بن حبیب کا بنیادی تعارف مؤرخ کا ہے، آپ کی کتب اسی موضوع سے تعلق رکھتی ہیں، ان میں تین کتب ہمارے موضوع سیرت سے متعلق ہیں۔ کتاب المحبر، المنمق فی اخبار قریش اور امہات النبی ﷺ۔ محمد بن حبیب کا پورا نام محمد بن حبیب بن امیہ بن عمرو ہے، ایک روایت کے مطابق حبیب والد کا اور دوسری روایت کے مطابق والدہ کا نام ہے، لیکن یہ بات محلِ نظر ہے[73]۔ ابن ندیم نے انہیں بغداد کے علمائے انساب، مؤرخین اور ماہرین لغت و شعر میں شمار کیا ہے، اور ان کو مستند قرار دیا ہے[74]۔ ابن حبیب کا زیادہ وقت بغداد میں گزرا، البتہ ان کے ابتدائی حالات کے متعلق تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ یاقوت حموی کے بہ قول ابن حبیب نے ابن الاعرابی، ابن الکلبی، ابوعبیدہ اور یقظان جیسے اپنے وقت کے اہم اہل علم سے روایت کی ہے[75]۔ ابن حبیب خود بھی شعر کہتے تھے، انہوں نے عباسی خلیفہ متوکل کے عہد میں سامرہ میں 23 ذی الحجہ 245ھ کو وفات پائی۔[76]

ابن حبیب بغدادی کی ایک اور کتاب اسماء المغتالین من الاشراف فی الجاہلیہ والاسلام بھی ہمارے سامنے ہے، اس کے محقق سید کسروی حسن نے مقدمے میں ابن حبیب کی چالیس کتب شمار کی ہیں، اس کے علاوہ چند مزید کتب کا ذکر کشف الظنون اور یاقوت حموی کے ہاں ملتا ہے۔ یوں کل پچاس کے لگ بھگ تالیفات کی فہرست ہمارے سامنے آتی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کا خیال ہے کہ شاید کتاب المحبر المنمق کے بعد تحریر ہوئی ہے[77]۔ کتاب المبحر کے حوالے بعد میں یعقوب حموی کے ہاں معجم البلدان میں، ابن حجر کے ہاں الاصابہ میں، ابن اثیر کے ہاں اسد الغابہ میں اور خطیب بغدادی کے ہاں التاریخ میں ملتے ہیں۔

ابن حبیب بغداد میں پیدا ہوئے اور سامرہ میں جمعرات کے روز 23 ذی الحجہ 245 / 860ء کو آپ کا انتقال ہوا۔[78]

ابن حبیب کا شمار بنیادی طور پر اخباری، یا مؤرخ، ماہر انساب اور ماہر لغت، شعر و قبائل میں ہوتا ہے، اور آپ کی جن پچاس کے لگ بھگ کتب کا ذکر ملتا ہے، سب کے عنوانات ان ہی موضوعات کے گرد گھومتے ہیں، مگر آپ کی کتاب المحبر سب سے زیادہ متعارف ہوئی، یعنی اس کے سبب سے بعض تذکرہ نگار آپ کو المحبری اور صاحب کتاب المحبر کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں[79]۔ ابن حبیب کے شیوخ میں ابن اعرابی، قطرب ،

ابوعبیدہ، ابوالقیطان، ابن الکلبی وغیرہ مشاہیر شامل ہیں۔[80]

کتاب المحبر

یہ کتاب جیسا کہ عرض کیا ابن حبیب کا اصل تعارف ہے۔ اس کتاب سے بعد میں استفادہ بھی کیا گیا، چنانچہ یاقوت حموی کے ہاں معجم البلدان میں، ابن حجر کے ہاں الاصابہ میں اور ابن اثیر کے ہاں اسد الغابہ میں اس کے حوالے ملتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اس کتاب کا مخطوطہ تصحیح اور تحقیق کے بعد دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن سے شائع کرایا۔ اس ادارے کے ساتھ ایسے بہت سے اعزازات وابستہ ہیں، ان ہی میں سے ایک اس کتاب کی خدمت بھی ہے، ڈاکٹر صاحب خود کلمۃ الختام للکتاب کے عنوان سے اس کتاب کے مخطوطے کی اہمیت اور حالت، نیز اپنے منہج تحقیق کی وضاحت کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ کتاب المحبر کا جو واحد نسخہ ہمیں دست یاب ہوا ہے اس کا متن (168) اوراق پر مشتمل ہے۔ کتاب کی تقطیع سوا دس انچ تا 6 انچ ہے اور ہر صفحے میں سترہ سطریں خط نسخ میں لکھی ہوئی ہیں، نسخہ عمدہ ہے اور کاتب نے اس کا مقابلہ بھی کیا ہے، اور جابجا تصحیحیں بھی کی ہیں، جن میں سے بعض بین السطور ہیں، بعض حاشیے پر، اور بعض کیلئے ابتدائی عبارت مٹادی گئی ہے ہمیں ضروری نہیں معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر تصحیح کی نوعیت کا بھی تعلیقات میں اظہار کریں۔ اصل کتاب میں سہو یا غلطی بہت کم پائی جاتی ہے، حاشیے میں ہم نے اس کا ذکر کر دیا ہے کہ کس کس چیز کی ہم نے تصحیح کی ہے، اصل میں کیا کیا اضافہ کیا ہے۔ مثلاً انساب میں بعض چیزوں کا سہو ہونا یا بعض عنوانات اور ایک لمبی عبارت جو چھوٹ گئی تھی، جسے ہم نے المنمق سے لیکر شامل کر دیا ہے۔ ہمارے اصل مخطوطے کا کاتب ہمیشہ خلد، ابراہیم، النعم، ملک، الحرث، سفین وغیرہ اور کبھی کبھی صلح لکھتا ہے طباعت کی دشواریوں کے باعث ہم مجبور ہوئے کہ ان کو خالد، ابراہیم، النعمان، مالک، الحارث، سفیان، صالح وغیرہ لکھیں، اسی طرح مخطوطے میں آذر اور آکل کی جگہ اذر و اا کل لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور مثالیں بھی ہیں۔[81]

المنمق فی اخبار قریش

یہ کتاب بنیادی طور پر قریش کے احوال سے متعلق ایک قدرے غیر مرتب متن کی حیثیت رکھتی ہے، جو مفصل طور حالات قریش کا احاطہ نہیں کرتا، مگر چوں کہ بہ ہر کیف قریش سے متعلق معلومات کا مجموعہ ہے، اس لیے یہ کتاب مصادر سیرت میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ یہ کتاب سن وار بھی مرتب نہیں کی گئی۔ اس میں قریش کی تاریخ سے تعلق رکھنے والے احوال اور واقعات غیر مرتب انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب خورشید احمد فاروق کی تصحیح اور تحقیق کے ساتھ عالم الکتب، بیروت سے 1985ء میں شائع ہوئی ہے، مگر اب تک تذکرہ نگاروں کے ہاں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ ایک آدھ نے ذکر کیا ہے تو بھی نہایت سرسری۔ مرتب کتاب نے یہ کتاب اشاعت سے کافی پہلے مرتب کر لی تھی، اس لیے کہ ان کے مقدمے کے آخر میں 4 ستمبر 1964ء درج ہے۔ یہ کتاب بہ راہ راست شروع ہو جاتی ہے، آغاز میں مؤلف کے حالات دینے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ بعض جگہوں پر ایک واقعہ الگ الگ مقامات پر بار بار درج ہے، یا اس کی کچھ تفصیلات ایک مقام پر ہیں اور کچھ تفصیلات دوسرے مقام پر، اسی بات کو بنیاد بنا کر کتاب المحبر کے محقق ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ نے المحبر کے کلمۃ الختام میں یہ رائے قائم کی ہے کہ المنمق شاید المحبر سے قبل تحریر و ترتیب دی گئی ہو گی۔[82]

اس کتاب میں قریش کے باہمی تعلقات، ان کی منافرتیں اور صلحیں، حلف الفضول، باہمی معاہدے وغیرہ کے ساتھ ہی غزوات

نبوی کا ذکر ہے۔کتاب میں بعض عنوانات بڑے دل چسپ ہیں، مثلاً بیوتات قریش، المشبھون برسول الله من قریش، امرأة من قریش شھدابوھا وجدھا وزوجھا بدراً، وغیرہ۔یوں 479 صفحات پر مشتمل یہ کتاب ایک اہم مصدر سیرت کی حیثیت رکھتی ہے۔

امہات النبی ﷺ

یہ مختصر سی کتاب جس کا متن صرف 18 صفحے پر مشتمل ہے، اسلامی تراث کی منفرد کتاب ہے، اور مسلمانوں کے مؤرخانہ ذوق کا ایک انتہائی امتیازی پہلو، اس کتاب میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ، محمد بن عبد اللہ، ابن عبد المطلب سے لے کر ابن معد تک شجرہ نبوی میں آنے والے تمام اجدادِ نبوت کی چار چار پانچ پانچ اور چھ چھ پشتوں بل کہ اس سے کہیں آگے تک امہات ذکر کی ہیں۔یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والدہ کانام آمنہ تھا، ان کی والدہ برہ بنت عبد العزیٰ ان کی والدہ ام حبیب، ان کی والدہ برہ بنت عوف، ان کی والدہ قلابہ بنت الحارث، ان کی والدہ امیمہ بنت مالک، ان کی والدہ دب بنت حارث اور ان کی والدہ کہف الظلم کی بیٹی تھیں[83]۔اس طرح انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نانی کے بعد بھی پانچ پشتوں تک مائوں کانسب بیان کیاہے۔ غور کیاجائے تو یہ انتہائی غیر معمولی کام ہے اور اسے سیرت طیبہ کا ایک اعجازی پہلو قرار دیا جاسکتاہے۔اسی طرح انہوں نے آپ ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ کی والدہ کی مائوں کانسب دس پشتوں تک بیان کیاہے۔[84]

یہ کتاب محمد خیر رمضان یوسف کی تحقیق سے دار ابن حزم کے اہتمام سے 1996ء میں شائع ہو چکی ہے۔

جاحظ م250ھ /255ھ

جاحظ بصرے میں پیدا ہوا، وہیں اس کی 250ھ یا255ھ میں وفات ہوئی، جاحظ کا پورا نام ابو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب ہے۔اس کی وفات کا قصہ بھی معروف ہے کہ وہ مطالعے میں مصروف تھا، کتابوں کا ڈھیر پاس تھا، اچانک کتابیں اس پر گریں اور وہ انتقال کر گیا۔جاحظ کا شمار معتزلہ کے بڑے علما میں ہوتا ہے، اس نے بہت کتب تحریر کیں، ان میں کتاب الحیوان، البیان والتبیین، کتاب البخلا، المحاسن والاضداد وغیرہ مطبوع ہیں۔جاحظ نے بغداد کا سفر بھی کیا اور وہاں مقیم رہے، عام خیال یہ ہے کہ وہ موالی میں سے ہیں۔ جاحظ کا تعارف امام ادب کاہے، اس میں شک کی گنجائش بھی نہیں، مگر جاحظ کو مختلف علوم وفنون پر دست رس حاصل تھی، ذہبی کے الفاظ میں: العلامة المبتحر ذوالفنون تھے۔جاحظ کے مشائخ میں حجاج بن محمد اعوزالمصیصی، قاضی ابویوسف، ثمامہ بن اشرس النمیری شامل ہیں۔اور تلامذہ میں ابو سعید حسن بن علی العدوی، ابو بکر عبد اللہ بن ابو داؤد، دعامہ بن الجہم، محمد بن یزید المبرد، یموت بن المزرع کے نام ملتے ہیں۔

مسعودی کا قول ہے، ولا یعلم احد من الرواة واہل العلم اکثر کتاباً منہ[85]۔ راویوں اور اہل علم میں اس سے زیادہ کثیر التصانیف شخص کسی کے علم میں نہیں۔اور یہ بات جاحظ کی تالیفات کی فہرست دیکھ کر درست معلوم ہوتی ہے۔

مصادر سیرت کے سلسلے میں جاحظ کی کتاب البیان والتبیین اہم ہے، یہ ادب جاہلی اور ادب عربی کے بنیادی مباحث کا احاطہ کرتی ہے، لیکن جس عہد کی کتاب ہے، اس میں چوں کہ مباحث کی عنوان بندی اور موجودہ تقسیم مروج نہیں ہوئی تھی، اس لیے کتاب کی ترتیب آج کے قاری کے لیے مانوس نہیں ہو گی۔ عام طور پر یہ تین جلدوں پر مشتمل اشاعت میں شائع ہوتی ہے۔پہلے ایک جلد میں بھی شائع ہوتی رہی ہے۔کتاب بنیادی طور پر زبان، بیان، بلاغت، فصاحت اور اس کے لوازم سے بحث کرتی ہے، اور جاحظ نے اس حوالے سے قدیم وجدید اقوال

جمع کرنے کی سعی کی ہے، جاحظ خود ماہر ادب تھے، اس لیے وہ ادب اور اصناف ادب کے حوالے سے اپنے خیالات و نظریات پیش کرتے ہیں، اور ان کی تائید میں اقوال بیان کرتے ہیں۔ چناں چہ انہوں نے جہاں رسول اللہ ﷺ کی فصاحت و بلاغت، قدرتِ کلام اور ندرتِ بیان پر گفت گو کی ہے، وہیں اپنے مختلف بیانات کی تائید میں آپ ﷺ کے اقوال بھی تواتر سے پیش کیے ہیں، اور احادیث نبویہ سے التزام کے ساتھ استشہاد کیا ہے۔ ایک مقام پر نقل کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ خوب صورتی کس بات میں ہے؟ آپ نے فرمایا: زبان میں۔[86]

جاحظ نے رسول اللہ ﷺ کے صرف ان اقوال کے نقل پر اکتفا نہیں کیا، بل کہ جہاں ضروری سمجھا ان اقوال کی وضاحت بھی کی ہے، چناں چہ ایک مقام پر وہ رسول اللہ ﷺ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد: شعبتان من شعب النفاق، البذاء والبیان، وشعبان من شعب الایمان، الحیاء والعی، کہاہے کہ یہاں "عی" سے مراد نعوذ باللہ یہ نہیں ہے کہ قرآن تو بیان و حسن بیان کی ترغیب دیتاہے اور رسول اللہ ﷺ بولنے کی صلاحیت کے برعکس ترغیب دے رہے ہیں، بل کہ مقصد صرف یہ ہے کہ کسی معاملے میں بھی حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔[87]

البتہ اہم ترین بات یہ ہے کہ اس عہد کے عام رجحان کے برعکس جاحظ نے اسناد کا اہتمام نہیں کیا، اس لیے خاص طور پر وہ اقوال نبوی ﷺ، جن کی دوسرے مصادر سے تصدیق یا تائید نہیں ہوتی، اہل علم کے ہاں مستند قرار نہیں پاسکتے۔ جاحظ کے ہاں رسول اکرم ﷺ کے اقوال بڑی تعداد میں ملتے ہیں۔ ان میں آپ کی احادیث، وصایا، چند خطبے، جوامع الکلم، ضرب الامثال اور دعائیں بھی شامل ہیں۔ اس سلسلے کے چند حوالے پیش خدمت ہیں:

ج1: ص73۔101۔155۔17۔175۔172۔194۔195۔213۔215

ج2: ص15۔16۔17۔18۔19۔20۔21۔25۔26۔27۔55۔79۔197

ج3: ص9۔29۔30۔34۔43۔70۔100۔114۔116۔122۔140۔145۔185۔188۔193۔194۔198۔262۔264۔265۔273

جاحظ نے آپ ﷺ کے شہرہ آفاق خطبہ حجۃ الوداع کی روایات بھی ذکر کی ہیں۔[88]

اس طرح البیان والتبیین بنیادی طور پر ادب کی کتاب ہونے کے باوجود سیرت کا اہم ماخذ ہے، اور نظر انداز شدہ ماخذ ہے کہ خاص بیان سیرت کے لیے اس سے استفادہ نہیں کیا جاتا۔ چوں کہ یہ کتاب ابتدائی عہد سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے تقدم زمانی کے سبب بھی اسے بہ طور مصدرِ سیرت قدر و منزلت حاصل ہے۔

زبیر بن بکار القریشی الزبیری (م256ھ)

زبیر بن بکار اپنے وقت کے ایک بڑے عالم، مکے کے قاضی اور علم الانساب کے ماہر تھے۔ آپ کا نسب ابو عبداللہ بن ابی بکر بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب القرشی الاسدی الزبیری المدنی المکی۔ آپ سن 172ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں سفیان بن عیینہ، ابی ضمرہ اللیثی، نضر بن شمیل، ابن ابی فُدیک، ذویب بن عمامہ، عبداللہ بن نافع الصائغ، عبد المجید بن عبد العزیز بن ابی روّاد، علی بن محمد المدائنی، محمد بن حسن بن زبالۃ، محمد بن ضحاک بن عثمان، ابراہیم بن منذر

اور آپ کے چچا مصعب بن عبد اللہ الزبیری جیسے مشاہیر تھے۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں ابن ماجہ، ابو حاتم الرازی، عبد اللہ بن شعیب الربعی، ابو بکر بن ابی الدنیا، محمد بن ابی الازھر، حرمی بن ابی العلاء المکی جن کا نام احمد بن محمد ہے، قاضی ابو عبد اللہ المحاملی، اسماعیل بن العباس الوراق، یوسف بن یعقوب جیسے اہل علم افراد ہیں۔

زبیر بن بکار حجاز میں پیدا ہوئے وہیں پلے بڑھے۔ 23 ذی قعد سن 256ھ میں بہ روز اتوار آپ کا مکہ مکرمہ میں 84 سال کی عمر میں انتقال ہوا[89]۔ آپ "نسب قریش" نامی کتب کے مصنف ہیں، یہ اپنے موضوع پر ایک بڑی اور نفیس کتاب ہے۔[90]

یاقوت الحموی نے معجم الادبا میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: زبیر بن بکار ایک بڑے عالم، مؤرخ، اور قریش کے انساب، آثار اور اشعار کے بارے میں پختہ علم رکھنے والے تھے، ان کی کتاب انساب قریش، قریشیوں کے نسب کے باب میں سب سے معتمد کتاب ہے۔ آپ ثقہ اہل علم میں سے تھے، ان کے بارے میں احمد بن علی السلیمان کے اس قول کی طرف التفات نہیں کرنا چاہیے جس میں انہیں منکر الحدیث کہا گیا ہے۔

زبیر بن بکار کی کتب میں چند نام بہت نمایاں ہیں، جو ہمارے موضوع یعنی مصادر سیرت سے تعلق رکھتے ہیں:

مزاح النبی ﷺ۔ نسب قریش۔ ازواج النبی ﷺ۔ الموفقیات۔ تاریخ مدینہ، سہیلی نے الروض الانف میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ اور کم از کم ایک مقام پر اس کا حوالہ بھی موجود ہے۔

ان کتب میں کم از کم تین کتب ہمارے سامنے مطبوعہ موجود ہیں، جو کتب تا حال موجود نہیں ہیں، ان میں اخبار مکہ کی روایات اسی موضوع پر ایک اور مورخ فاکہی کی اخبار مکہ میں محفوظ ہو گئی ہیں، چناں چہ فاکہی کے ہاں 143 روایات زبیر بن بکار سے موجود ہیں[91]۔ نیز ان کی کتاب تاریخ المدینہ میں سے مدینے کے قبائل کے حوالے سے معلومات فیروز آبادی کی کتاب المغانم اور ابن حجر کی الاصابہ میں موجود ہیں۔

ابن شبہ، ابوزید عمر بن شبہ النمیری البصری م262ھ

مدینہ منورہ کی تاریخ میں ابن شبہ کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔ ابن شبہ کی تاریخ دوسری موجود کتب میں بھی زمانی اعتبار سے مقدم ہے، اور ضخامت اور معلومات کے اعتبار سے بھی نہایت وقیع ہے، اس لیے کہ اس کی نئی مرتب شدہ اشاعت دس جلدوں میں سامنے آئی۔

ابن شبہ کا تذکرہ ابن ندیم یاقوت الحموی، ابن خلکان، خطیب بغدادی، نووی، ذہبی، ابن حجر، سیوطی وغیرہ کے ہاں اہتمام کے ساتھ ملتا ہے، اور تذکرہ نگاروں کی نظر میں وہ ادیب، فقیہ، مغازی نگار، مورخ اور ثقہ عالم کی حیثیت رکھتے ہیں۔[92]

ابن شبہ نے عبد الوہاب الثقفی، محمد بن جعفر غندر، وابی ذکریا حیحی بن محمد بن قیس، علی بن عاصم، یزید بن ہارون، مومل بن اسماعیل، عمر بن شبیب، حسین الجعفی، ابن بدر السکونی، معاویہ بن ہشام، عبد الوہاب بن عطا، ابی عاسم النبیل، یحیٰ القطان، یوسف بن عطیہ، محمد بن سلام الجمحی، ابراہیم بن النذر، ہارون بن عبد اللہ۔ اور ابن شبہ کے تلامذہ میں ابو بکر بن ابی الدنیا، عبد اللہ بن سلیمان، عبد الملک بن عمرو الوراق، احمد بن فرج، ابو شعب الحرانی، ابو قاسم البغوی صاحب الصحیح، یحیٰ بن صاعد، اسماعیل بن العباس اوراق، محمد بن زکریا الدقاق، قاضی المحاملی، محمد بن مخلد، محمد بن الاثرم، ابن ماجہ صاحب السنن، ابو العباس الثقفی، ابونعیم، عبد الملک الجرجانی اور دیگر بڑی تعداد شامل ہے۔

ابن شبہ نے ادب، تاریخ، لغت اور علوم اسلامی کے مختلف پہلوئوں پر کثرت سے کتابیں لکھیں ہیں۔ ان کی ایک کتاب امرائے مکہ کے بارے میں مرتب کا خیال یہی ہے کہ شاید یہ وہی تاریخ مکہ ہے، جو امام بخاری نے ان سے نقل کی ہے۔ ابن ندیم نے اٹھارہ کتابوں کی فہرست نقل کی ہے۔

ابن شبہ نے ماضی کے تمام اہم مصادر سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اور مدینہ منورہ کے حوالے سے تمام ممکنہ وہ معلومات فراہم کی ہیں جن کا عہد نبوی اور مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر جلد اول کا آغاز الصلاۃ علی الجنائز سے ہوتا ہے اور اس میں ابن شبہ نے مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے حوالے سے نمازِ جنازہ کا معمول ذکر کیا ہے۔ اسی طرح مساجد کے ذکر میں قبلہ رو تھوکنے اور سونے وغیرہ کی ممانعت پر مشتمل روایات بھی مذکور ہیں۔ کتاب میں مدینہ منورہ کے مختلف مقامات، صحابہ کرام کی قبروں اور کنوئوں وغیرہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ کتاب نہایت تفصیل پر مشتمل ہے، اس کا مختصر تعارف بھی طوالت چاہتا ہے۔ [93]

حماد بن اسحاق بن اسماعیل م267ھ

حماد بن اسحاق 199ھ میں پیدا ہوئے، آپ کے بھائی اسماعیل بن اسحاق (م282ھ) عالم کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتے ہیں، اور آپ کے بھتیجے محمد یوسف بن یعقوب (م283ھ) عالم اور محدث ہونے کے ساتھ قاضی کے عہدے پر فائز رہے، اس کے علاوہ آپ کے بیٹے ابراہیم بن حماد (م323ھ) بھی علم و فضل میں اپنی شناخت رکھتے تھے۔ مسلکاً مالکی ہیں، آپ کی متعدد کتب میں ترکۃ النبی سیرت طیبہ سے تعلق رکھتی ہے۔ آپ کے تلامذہ میں آپ کے بیٹے ازہر اور ابراہیم، محمد بن جعفر الخرائطی، حسین بن اسماعیل المحاملی شامل ہیں۔ خطیب بغدادی نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ پیر کے روز سوس میں 3رجب المرجب 267ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ یہ کتاب دکتور اکرم ضیاء العمری کی تحقیق کے ساتھ ان ہی کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ترکے کے حوالے سے موجود معلومات کا انتہائی اہم اور جامع ذخیرہ ہے۔

ابوزرعہ الدمشقی 281ھ

ابوزرعہ کا پورا نام عبد الرحمن بن عمرو بن عبد اللہ بن صفوان بن عمرو ابوزرعہ الدمشقی النصری ہے، سن 200 ہجری میں ولادت ہوئی، اور 281ھ، اور ایک روایت کے مطابق 280ھ میں وفات پائی۔ ان کے والد اہل علم کی مجالس میں بیٹھا کرتے تھے، ابوزرعہ بھی بچپن میں ہی ان کے ساتھ وہاں آنے جانے لگے، اس لیے بچپن ہی سے انہیں علمی ماحول میسر آیا۔ چناں چہ وہ بلاد شام کے اہم اور مؤقر محدثین و مؤرخین میں شمار ہونے لگے۔ ابوزرعہ کا مزاج بھی یہ تھا کہ وہ محض روایت سننے اور نقل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بل کہ وہ غور و فکر، مذاکرے اور علمی مباحث کا مزاج رکھتے تھے، اسی لیے وہ بالآخر شام کے تیسری صدی ہجری کے نصف ثانی میں بڑے محدثین و مؤرخین میں شمار ہونے لگے۔ آپ نے 25 سے زائد موضوعات پر قلم اٹھایا، جس میں اہم اور مطبوعہ کتاب التاریخ ہے، اور یہی ہمارے موضوع سے تعلق بھی رکھتی ہے۔

ابوزرعہ نے اپنے عہد کے اساطین علم سے روایت کی ہے، ان کے مشائخ یںابو نعیم فضل بن دکین، ھوذہ بن خلیفہ، عفان بن مسلم، ابو سہر الغسانی، احمد بن خالد الوہبی، سلمان بن حرب، علی بن عیاش، حکم بن نافع، ابو بکر الحمیدی، ابوغسان الہندی، سعید بن سلیمان، سعید بن منصور، احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین وغیرہ شامل ہیں۔ اور آپ کے تلامذہ میں یہ اہم نام شامل ہیں: حسن بن بشیر الکوفی، اسحاق بن موسیٰ انصاری،

ابو داؤد، احمد بن المعلی القاضی، ابو بکر بن داؤد، ابو جعفر الطحاوی، ابو القاسم الطبرانی عنسان النہدی) ابو المحجون بن راشد (راوی تاریخ) وغیرہ۔ کتاب التاریخ اہم اور متداول کتب میں شمار ہوتی ہے، چناں چہ بعد کے عہد میں ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ التاریخ میں ابوزرعہ نے تمام روایات سند کے ساتھ بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کتاب کے ابتدائی 23 صفحات[94] سیرت طیبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان صفحات میں روایت نمبر 1 تا 47، بیان سیرت سے بہ راہ راست متعلق ہیں، جب کہ کتاب میں کل روایات 2330 ہیں۔ ان روایات سیرت کو ذیل کے عناوین کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

ذکر مولد النبی ﷺ، فی اقامۃ النبی بمکہ ومبعثہ، ذکر وفات النبی وسنہ، فی ذکر شیب النبی، فی ذکر دفن النبی ﷺ، فی نسبۃ النبی۔ اس باب میں آپ ﷺ کا نسب بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ایک روایت میں بتایا گیا کہ عبد المطلب کا نام شیبہ تھا، اور ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ عبد مناف کا نام مغیرہ، اور قصی کا نام زید تھا، فی نعت النبی، اس کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معروف روایت نقل کی گئی ہے، جس میں آپ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان ہوا ہے[95] فی تاریخ المغازی رسول اللہ ﷺ، وذکر بدر۔ آخری باب فی ذکر التاریخ ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ تاریخ ہجری کا آغاز ہجرت مدینہ سے ہوا[96] پھر روایت نمبر 48 سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ اس کتاب کے اس مختصر سے حصے میں ابوزرعہ نے ماقبل کے اہم سیرت نگاروں سے روایات لینے کا اہتمام کیا ہے، ان میں محمد بن عائذ، م 233ھ، صاحب المغازی، ابن شہاب زہری، م 124ھ، صاحب المغازی، عبد اللہ بن زبیر، حضرت علی، انس بن مالک، احمد بن حنبل، معمر بن راشد، م 153ھ، صاحب المغازی، عروہ بن زبیر، صاحب المغازی، عامر بن شراحیل الہمدانی اور صاحب المغازی شامل ہیں۔

ابوزرعہ کے زیادہ تر رواۃ ثقہ ہیں، اور صحاح ستہ میں ان سے روایات منقول ہیں۔ یہ کتاب ابوزرعہ کے شاگرد ابو المحجون بن راشد سے روایت کی گئی ہے۔ ابوزرعہ کے لیے ذہبی نے سیر اعلام النبلا شیخ، امام، صادق، محدث شام کے الفاظ تحریر کیے ہیں۔[97]

ابو بکر جعفر بن محمد الفریابی۔ م 301ھ

ابو بکر جعفر بن محمد الفریابی 207ھ میں پیدا ہوئے اور انہوں نے 301ھ میں وفات پائی۔ فاریاب یا فیریاب کی طرف نسبت کی وجہ یہ ہے کہ یہ خراسان کے ایک علاقے کا نام ہے، جہاں ان کی ولادت ہوئی۔ تعلیم کے سلسلے میں انہوں نے شام و مصر اور حجاز، جزیرہ، ماوراء النہر، عراق ک، حجاز وغیرہ کا سفر کیا۔ خطیب وغیرہ حضرات نے انہیں ثقہ اور حجت قرار دیا ہے۔ ابو بکر جعفر بن محمد الفریابی کے شیوخ میں شیبان بن فروخ، محمد بن ابی بکر مقدمی، ابو مصعب الزہری، اسحاق بن راہویہ، ابو جعفر النفیل، محمد بن عائذ، عثمان بن ابی شیبہ، ابو قدامہ، علی بن المدینی، قتیبہ بن سعید، ابن ابی شیبہ، دحیم، ہدبہ بن خالد، محمد بن مصفی، محمد بن بشار، عباس الدوری اور اسحاق مروزی وغیرہ شامل ہیں۔ اس طرح آپ کے تلامذہ میں: ابن عدی، طبرانی، آجری، الاسماعیلی، ابن النجاد، ابن قانع، ابو الفضل الزہری، ابو بکر الشافعی اور الراہر مزی وغیرہ مشاہیر شامل ہیں[98]

ابو بکر جعفر بن محمد الفریابی نے متعدد موضوعات پر قلم اٹھایا، مگر دلائل النبوہ پر ان کی کتاب معلوم اور موجود کتب میں قدامت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کی ایک اشاعت ہی سامنے آسکی ہے، جو ام عبد اللہ بنت محروسی کی تخریج کے ساتھ ابو عبد اللہ محمود بن احمد الحداد کے اشراف میں مدون ہوئی ہے۔ اس مقصد کے لیے ظاہر یہ دمشق کے مخطوطے کو بنیاد بنایا گیا ہے، جو اس کتاب کا مستند نسخہ ہے کہ متعدد اہل علم اس

کا مقابلہ و معارضہ کر چکے ہیں، جن کی تفصیل اس کے مطبوعہ نسخے میں اختصار کے ساتھ درج ہے۔ اس کتاب میں دلائل النبوہ یا معجزات نبوی کے حوالے سے 52 روایات درج کی گئی ہیں۔ اس مخطوطے کی تدوین کرتے ہوئے ان احادیث کے حوالے بھی درج کیے گئے، لیکن تخریج مروج اسلوب کے مطابق نہیں ہے، اس لیے یہ کتاب اہل علم کی کافی توجہ چاہتی ہے، کیوں کہ اس موضوع پر، جیسا کہ عرض کیا گیا یہ مطبوعہ کتب میں ابتدائی کتاب ہے، اسے شایان شانِ طریقے سے طبع ہونا چاہیے۔ یہ کتاب راوی نے شیخ ابو محمد الحسن بن علی بن محمد الجوہری سے 446ھ میں سماعت کی، انہوں نے ابو حفص عمر بن محمد بن علی بن زیات کے سامنے یہ کتاب تلاوت کی، اور ابو حفص عمر نے مؤلف کتاب ابو بکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی کے سامنے یہ کتاب پڑھی۔ یہ سن 300ھ کا ذکر ہے، یعنی مؤلف کی وفات سے صرف سال بھر قبل، یوں یہ مخطوطہ مؤلف کے آخرِ عہد کا ہے۔ مرتبہ کے مطابق اس نسخے کی تفصیلات اس کے مخطوطے کے آخری صفحات میں مذکور ہیں۔

نسائی۔303ھ

ابو عبید الرحمن احمد بن علی بن شعیب النسائی امام نسائی امام حدیث ہیں، اسی حیثیت میں معروف ہیں۔ آپ کی مشہور ترین کتاب سنن نسائی ہے، جو معروف چھ کتب حدیث صحاح ستہ میں سے ایک ہے۔ امام نسائی 215ھ میں پیدا ہوئے، 230ھ میں اپنے سفر علم کا آغاز کیا، اور اکتساب علم کے لیے دور دراز سفر کیے، آپ کے اساتذہ میں مشہور شخصیات میں سے قتیبہ بن سعید، اسحاق بن راھویہ، ہشام بن عمار، عیسیٰ بن حماد، حسین بن منصور، عمرو بن زراہ، محمد بن النصر مروزی وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کے شیوخ میں خراسان، عراق، شام، مصر اور حجاز کے اہل علم شامل ہیں۔ اس سے بھی امام نسائی کی محنت اور وسعت علم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح آپ کے تلامذہ میں ابو بشیر دولابی، ابو علی حسین نیساپوری، حمزہ بن محمد کنانی، ابن سنی، اور طبرانی شامل ہیں[99]۔ آپ کی تالیفات کی تعداد 15 کے قریب ہے۔ خاص حدیث کے حوالے سے السنن، مسند علی اور عمل الیوم واللیلۃ شامل ہیں۔ آپ نے ایک کتاب الخصائص فی فضل علی بن ابی طالب طالب بھی تحریر کی تھی۔ خاص سیرت طیبہ کے حوالے سے بھی آپ کی ایک کتاب ملتی ہے، وفات النبی، جو ہمارے پیش نظر ہے۔

آپ کا انتقال فلسطین میں پیر کے روز 13 شعبان 303 کو ہوا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کی وفات مکہ مکرمہ میں ہوئی، اور صفا اور مروہ کے درمیان آپ کی تدفین ہوئی۔

کتاب الوفات یا وفاۃ النبی ﷺ مختصر سی کتاب ہے، جو لگ بھگ 60 صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں آپ ﷺ کی علالت کی ابتدا، تکلیف کی شدت، علاج، دوران علالت آپ کی جانب سے دے جانے والے بعض احکام اور وفات غسل اور تدفین کا ذکر ہے۔ اس کے اہم اور بڑے عنوانات یہ ہیں: ذکر ما استدل به النبی ﷺ علی اقتراب اجله ۔ذکر ما كان يعالج به النبی ﷺ فی مرضه۔ ذکر شدة وجع رسول الله ﷺ۔ ذکر ما کان یقول النبی ﷺ فی مرضه۔ ذکر الاختلاف فی سنن رسول الله ﷺ۔ صفة غسله۔ صفة كفنه۔ كيف حفرله وحفرله۔ ما اصاب من المسلمين فى المصيبة

امام نسائی نے اس مختصر کتاب میں ازواج مطہرات میں سے خصوصیت سے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے

روایات کی ہیں، اسی طرح اصحاب سیرت میں سے عروہ بن زبیر، ابن شہاب، زہری اور ابن اسحاق بھی متعدد روایات اور تفصیلات کا حصہ ہیں۔ بہ ہر کیف یہ ایک اہم ماخذ ہے کہ اس کے ذریعے مکمل تفصیل اور حوالوں کے ساتھ وفات نبی ﷺ کے موضوع پر اہم روایات یک جا میسر آجاتی ہیں، یہ بات بہ ہر حال پیش نظر رہنی چاہیے کہ اس تفصیل میں آج موجود مواد کی روشنی میں مزید خاصا اضافہ ہو سکتا ہے۔

پوری کتاب میں تمام روایات مکمل اسناد کے ساتھ بیان ہوئی ہیں، اور زیادہ تر روایات بخاری مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام میں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سیرت نگاروں میں واقدی سے بھی روایات منقول ہیں، مگر اہم ترین بات یہ ہے کہ کتاب پر مرتب اور محقق کا نام درج نہیں، نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ کس یا کن مخطوطوں سے مرتب کیا گیا ہے، اس کتاب میں کل 46 روایات ہیں مگر خصوصیت سے آخری 3 ابواب، جو فہرست میں درج ہیں وہ اصل کتاب کا حصہ نہیں، بل کہ وہ اصل کتاب کے حاشیے کے طور درج ہیں۔

اختتام

ان معلومات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان مصادر اور اس نوعیت کے دیگر مصادر کس قدر اہمیت کے حامل ہیں، اور ہم ان سے کس قدر ناواقفیت رکھتے ہیں۔ اگر یہ مصادر ہمارے محققین سیرت استعاب کے ساتھ اپنے پیش نظر رکھ سکیں تو ہمیں بہت سے عقدے حل کرنے میں سہولت ہوگی، نئی معلومات سامنے آئیں گی، اور موجود معلومات کی تفصیلات میں اضافہ ممکن ہوگا۔

اس ضمن میں وہ کتب بھی نہایت اہم ہیں جو اس دورانیے میں مغازی کے زیر عنوان شائع ہوئی ہیں، مگر وہ تفصیلات علیحدہ سے ایک مضمون چاہتی ہیں۔

حوالہ جات

---

[1] ابن ہشام، ابو محمد، عبد الملك بن ہشام، بیروت، دار المعرفه، 1978ء، ج1، ص7

[2] ڈاکٹر سید عبد اللہ، فنِ سیرت نگاری پر ایك نظر، فکر و نظر، اسلام آباد، اپریل 1976

[3] ایضاً

[4] قاضی اطہر مبارک پوری، تدوین سیر و مغازی، لاہور، کتاب سرائے، س۔ن، ص27

[5] محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار صادر 1957ء، ج2، ص368

[6] خطیب البغدادی، الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع، دار الفکر، بیروت، ج2، ص288

[7] خطیب البغدادی، الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع، ج2، ص 287، رقم حدیث: 1648

[8] ابن سعد، ج28، ص360

[9] ابن عساکر، علی بن محمد الحسن، تاریخ دمشق، دار احیاء التراث، بیروت، ج1، ص229

[10] تدوینِ سیر و مغازی، ص80، 37

[11] تدوینِ سیر و مغازی، ص79

[12] العسقلانی، ابن حجر، تہذیب التہذیب، بیروت، دار الکتب العلمية، 2004ء، ج4، ص549

[13] حسن البصری، فضائل مکہ و السکن فیھا، مقدمہ: دکتور سامی مکی العانی، کویت، مکتبہ الفلاح، 1980ء، ص 7

[14] مقدمہ: ایضاً

[15] مقدمہ: ص 8

[16] مقدمہ: ص 10

[17] القرآن 2: 106

[18] مقدمہ: ص 10

[19] مقدمہ: ص12

[20] ایضاً

[21] مقدمہ: ص14

[22] مقدمہ: ص 21

[23] دیکھیے: محمد بن حسن الزبالۃ، ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مقدمۂ محقق، مدینہ منورہ، جامعہ اسلامیہ، 1981

[24] ابن حجر، لسان المیزان، بیروت، دارالبشائر الاسلامیہ، 2002ء، ج7، رقم حدیث:6287

[25] ابو الفداء، اسماعیل بن علی، التاریخ، بیروت، ج2، ص30

[26] ابن خلکان، احمد بن محمد، وفیات الاعیان، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ج2، ص 244

[27] الاصمعی ،عبدالملک بن قریب ،تاریخ العرب قبل الاسلام، بغداد، مطبعہ المعارف، 1959ء، مقدمہ، ص م

[28] ایضاً، ص4

[29] تاریخ ابو افداء: ج2، ص 30۔ وفیات الاعیان: ج2، ص 348۔ البدایۃ والنھایۃ: ج 10، ص 270۔ شذرات الذہب: ج2، ص 26

[30] تاریخ العرب قبل الاسلام، مقدمہ، ص ت

[31] ایضاً: ص2

[32] ایضاً: ص 53۔54

[33] ابو عبید، قاسم بن سلام، الخطب والمواعظ، مصر، مکتبہ الثقافیہ الدینیہ، س۔ن، مقدمہ، ص 24

[34] ایضاً: ص 29۔ 31

[35] ایضاً: ص 106، رقم حدیث: 17

[36] ایضاً: ص 201، رقم حدیث: 133

[37] ابو عبید، قاسم بن سلام ،کتاب الاموال، بیروت، دارالکتب العلمیہ، 1406ھ/ 1986ء، رقم حدیث 338 و 518

[38] ایضاً: رقم حدیث: 678

[39] ایضاً، رقم حدیث: 679

[40] ایضاً: 680

[41] ایضاً: 681

[42] ایضاً: 682

[43] ایضاً: 765

[44] ایضاً: 769 و802

[45] ایضاً: 314۔315۔373۔374۔445۔776۔777۔778

[46] ایضاً: 1425۔1426۔1437 و بعد

[47] ایضاً: 216

[48] ایضاً: 23

[49] ایضاً: 29

[50] ایضاً: 276

[51] ایضاً: 298۔299۔300

[52] ایضاً: 449۔445۔456

[53] ایضاً: 454

[54] ایضاً: 693

[55] ایضاً: 845۔ وبعد

[56] ایضاً: 1084

[57] ایضاً: 1772

[58] دیکھیے: ابوعبدالله، المصعب الزبیری، کتاب نسب قریش، قاہرہ، دار المعارف ، ۱۹۵۱ء: مقدمه ، ص 5

[59] ایضاً: ص 16۔ 17

[60] ایضاً: ص 17

[61] ایضاً: ص 21۔ 22

[62] ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج2، ص 244

[63] ابن ندیم، الفہرست، مطبوعه قاہرہ: ص 238

[64] ابن حجر، احمد بن علی، تہذیب التہذیب: ج2، ص160

[65] الذہبی، محمد بن احمد، ابو عبدالله، تذکرۃ الحفاظ: ج2، ص436

[66] دکتور ضیاء العمری، خلیفه بن خیاط، التاریخ، بیروت، دار الفکر: ص 26۔ دکتور مصطفی نجیب فواز، مقدمه: ص 7

[67] ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی، مصادر سیرت نبوی ﷺ، لاہور، کتاب سرائے: ج1، ص200

[68] ایضاً: ص 13 تا 49

[69] ایضاً: ص43۔ 44

[70] رسول جعفریان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکری و سیاسی زندگی، کراچی، دار الثقلین، 2017ء: ص211

[71] دیکھیے: ص32-33

[72] رسول جعفریان: ص211

[73] دیکھیے: مصادر سیرت: ج1، ص207

[74] ابن ندیم، الفہرست: ص 119

[75] معجم االادبا: ج 18، ص 113

[76] مصادر سیرت: ص 214

[77] ابن حبیب البغدادی، المحبر، دکن، دائرہ معارف عثمانیہ، 1942ء: ص 51

[78] خطیب البغدادی، تاریخ، ج 2 ،ص 87، رقم حدیث: 751

[79] ملاحظہ ہو زرکلی، ازعلام: ج 6، ص78 اور خطیب محولہ بالا

[80] ڈاکٹر حمیداللہ، کلمۃ الختام: ص 507

[81] کلمۃ الختام للکتاب: ص 512

[82] دیکھیے: کلمۃ الختام للکتاب

[83] ابن حبیب البغدادی، امہات النبی ﷺ، بیروت، دار ابن حزم، 1996ء: ص 18

[84] ایضاً: ص 91

[85] ابن حجر، لسان المیزان: ج 6، ص 189، رقم 5780

[86] ایضاً: ج 1 ،ص152

[87] جاحظ، ابو عثمان عمرو بن بحر، البیان والتبین، بیروت، دار و المکتبۃ الھلال، 1992ء: ج 1 ،ص176

[88] ایضاً: ج2 ،ص22

[89] معجم الادباء: ج 3 ،ص1222

[90] ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ج 12 ،ص313

[91] رسول جعفریان: ص 119

[92] ابن شبہ، تاریخ مدینہ منورہ، ناشر سید حبیب محمود احمد، 1979ء: مقدمہ، ص 7

[93] ہمارے پیش نظر اس کتاب کا وہ نسخہ ہے جو فہیم محمد شلتوت نے مرتب کیا اور جو سید حبیب محمود احمد کے زیر اہتمام ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا ہے۔

[94] ابو زرعہ الدمشقی، التاریخ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1996ء: ص 7 سے 31

[95] ایضاً: ص31

[96] ایضاً: ص 45

[97] سیر اعلام النبلاء: ج 12، ص 311۔ ابن عساکر۔ تاریخ دمشق: ج 35، ص 142، رقم 3904

[98] فریابی، دلائل النبوۃ، مصر ،دار الطیبہ للنشر والتوزیع: مقدمۂ کتاب، ص 5

[99] نسائی، وفات النبی ﷺ، متحدہ العرب امارات، دار الفتح للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1994ء: ص 5